رمضانِ مبارک کی آمد پر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

عَنْ سَلمانَ الفارسی رضی اللہ عنہ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ آخِرِ یَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: ((یَا اَیُّهَا النَّاسُ! قَدْ اَظَلَّکُمْ شَهْرٌ عَظِیْمٌ، شَهْرٌ مُبَارَکٌ، شَهْرٌ فِیْهِ لَیْلَةٌ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ فَرِیْضَةً وَ قِیَامَ لَیْلِهٖ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ، وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْهِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ، وَ هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَ شَهْرٌ یُزَادُ فِیْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ، مَنْ فَطَّرَ فِیْهِ صَائِمًا کَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهٖ وَ عِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ، وَکَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ)) قُلْنَا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَیْسَ کُلُّنَا یَجِدُ مَا یُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((یُعْطِی اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ شُرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ، وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِیْ شُرْبَةً لَا یَظْمَأُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّةَ، وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَ آخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْکِهٖ فِیْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَ اَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ))

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ بیک ٹائٹل کے اندرونی صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا
(البقرہ: ۲۶۹)

دار المطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 18-10-04
۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

مدیر عام: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارہ تحریر:
پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
حافظ عاطف وحید

جلد ۲۳ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ - اکتوبر ۲۰۰۴ء شمارہ ۱۰

کے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔کے۔ماڈل ٹاؤن۔لاہور ۱۴۔فون: ۵۸۶۹۵۰۱
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ حکمت قرآن کو تحریک رجوع الی القرآن کے نقیب اور علوم وحکمِ قرآنی کے ناشر و پرچارک کی حیثیت حاصل ہے۔ پیش نظر شمارے میں ''مطالعہ قرآن حکیم'' کے باب میں چار مضامین شاملِ اشاعت کئے جارہے ہیں: (۱) اُمّ المسبحات سورۃ الحدید کے سلسلہ وار درس کی قسط ۱۸ــــ سورۃ الحدید امت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن حکیم کی جامع ترین سورت ہے اور مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا چھٹا اور آخری حصہ اسی سورۂ مبارکہ پر مشتمل ہے۔ اس سلسلہ وار درس کی مزید دو اقساط کی اشاعت کے بعد یہ سلسلہ ان شاء اللہ العزیز پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ (۲) محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے درس قرآن سے ماخوذ مضمون ''رمضان، روزہ اور قرآن'' ایک مختصر مگر جامع مضمون ہے، جس میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۵ میں وارد ہونے والی قرآن حکیم کی تین شانوں ''هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ'' کی وضاحت کی گئی ہے اور قرآن حکیم جیسی عظیم ترین نعمت کا شکر ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ (۳) حافظ احمد یار صاحبؒ کے شاگرد رشید لطف الرحمٰن خان صاحب کا ترجمہ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح ــــ اس سلسلہ اسباق کا آغاز اس شمارے سے کیا جارہا ہے اور ان شاء اللہ اسے تسلسل سے پیش کیا جائے گا۔ ترجمہ قرآن مجید کے یہ اسباق ایک حد تک ''لغات واعراب قرآن'' کے قائم مقام ہیں۔ حافظ احمد یار صاحبؒ کا یہ سلسلۂ اسباق حکمت قرآن میں قریباً دس برس تک (۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۸ء) شائع ہوتا رہا، جسے حافظ صاحب مرحوم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۱۰ تک مکمل کر سکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لطف الرحمٰن خان صاحب کا ترجمہ قرآن مجید سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۱۱ سے شروع کیا جارہا ہے۔ (۴) نباتاتِ قرآن۔ سید قاسم محمود صاحب کا یہ سلسلۂ مضامین شمارہ جون سے شروع ہوا تھا اور اسے قارئین حکمت قرآن کی طرف سے بہت پسند کیا جارہا ہے۔

''حکمت نبویؐ'' کے عنوان سے پروفیسر محمد یونس جنجوعہ صاحب کا درس حدیث اس دفعہ ''حیاتِ مستعار کی قدر و قیمت'' کا احساس دلا رہا ہے۔ مزید برآں محمد عبدالرشید ندوی صاحب کا ایک تحقیقی ومعلوماتی مضمون ''پاک و ہند کے فقہی مکاتب فکر اور دیگر فرقے'' شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔ قارئین سے استدعا ہے کہ حکمت قرآن کے مطالعہ کے بعد ہمیں اپنی آراء سے مطلع ضرور فرمائیں ــــ!!

منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۱۸)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾ ..... صدق اللّٰہ العظیم

پچھلی نشست میں ہم نے سورۃ الحدید کی پچیس آیات پر ایک نگاہِ بازگشت ڈالنے کے بعد چھبیسویں آیت پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ اس آیۂ مبارکہ میں ایک اہم

بات پر' جو اگرچہ ضمنی طور پر وارد ہوئی ہے لیکن نہایت گہری علمی اہمیت کی حامل ہے' ہماری گفتگو جاری تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ''نبوّت'' اور ''کتاب'' ذرّیّتِ ابراہیمؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگرچہ دنیا میں اور علاقے بھی ہیں لیکن تاریخ یہودیت اور تاریخ عیسائیت کے حوالے سے ہمارے پاس ثبوت اسی علاقے کا ہے جسے ہم مشرق وسطیٰ (Middle East) کہتے ہیں۔ درحقیقت اسلام اور ان دونوں مذاہب (یہودیت اور عیسائیت) کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ قرآن مجید نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل کے جن رسولوں کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی اسی علاقے سے متعلق تھے' یعنی حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام۔ اس کے علاوہ پوری دنیا میں دوسرے علاقوں سے' خاص طور پر ہندوستان اور چین' جو تہذیب وتمدن کے بہت قدیم مراکز ہیں' قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بحث نہیں کی ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح اور منطقی ہے' اس لئے کہ قرآن کریم کے اوّلین مخاطب یعنی اہلِ عرب کے پاس ان کے بارے میں واقفیت نہیں تھی۔ لہٰذا خواہ مخواہ ان کا تذکرہ کرنا ان کے لئے گویا ایک لایعنی سی بات ہوتی' کیونکہ اس کے لئے انہیں پہلے تاریخ اور جغرافیہ کی تعلیم دی جاتی' پھر اُن تمام علاقوں میں بھیجے گئے انبیاء ورُسل کا تذکرہ کیا جاتا' جبکہ اس کی قطعاً کوئی حاجت نہیں تھی۔ البتہ اس سے جو اشکال سامنے آ رہا ہے' جسے ہم نے حل کرنا ہے' وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو قرآن کہتا ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ ''اور ہر بستی میں ایک خبردار کرنے والا (نبی یا رسول) گزرا ہے'' اور: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ ''اور ہر قوم کے لئے ایک راہنما (گزرا) ہے''۔ جبکہ دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آ رہی ہے کہ کم از کم گزشتہ ساڑھے چار ہزار برس کے دوران تو صرف ذرّیّتِ ابراہیمؑ ہی میں کتاب اور نبوت رہی۔

ان دونوں الفاظ ''ہادی اور نذیر'' پر غور کرتے ہوئے یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ ہر لفظ کے کچھ مضمرات ہوتے ہیں' اس کی اپنی ایک connotation

ہوتی ہے۔لفظ ''ھادٍ'' یا ''ھادی'' (ہدایت دینے والا) ایک عام لفظ ہے۔اسی طریقے سے ''نذیر'' (خبردار کرنے والا) بھی ایک عام لفظ ہے۔ یہ دونوں لفظ ایسے شخص کے لئے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جو حقائق سے آشنا ہو جائے' چاہے وہ از خود ہی آشنا ہوا ہو۔قرآن مجید میں اس کی ایک بڑی اہم مثال موجود ہے۔اور وہ اس اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اگر اس کا تذکرہ اتنی وضاحت وصراحت کے ساتھ نہ ہوتا تو یہ اہم مضمون ہم پر منکشف ہی نہ ہو پاتا۔اور وہ مثال ہے حضرت لقمان کی۔آپ نہ نبی تھے' نہ رسول تھے اور نہ ہی ان کے بارے میں کسی نبی یا رسول کے اُمتی ہونے کا کوئی ثبوت ہے۔وہ بس ایک سلیم الفطرت' سلیم العقل انسان تھے۔اس سلیم الفطرت انسان نے اپنی عقلِ سلیم کی راہنمائی میں غور وفکر اور سوچ بچار کے ذریعے ان تعلیمات تک رسائی حاصل کر لی جو قرآن مجید کی بنیادی تعلیمات ہیں' یعنی توحید اور معاد۔اب تیسری چیز جو رہ جاتی ہے وہ نیکی اور بدی کا امتیاز ہے۔اس کی تمیز اور اس کا شعور بھی اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں ودیعت کر دیا ہے۔نبوت اور کتاب درحقیقت ہدایتِ خداوندی کی معین شکلیں ہیں' لیکن ہدایتِ خداوندی اور انذار صرف نبوت اور کتاب کے ساتھ وابستہ نہیں ہے' بلکہ ایک حکیم اور دانا انسان بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے غور و فکر کے نتیجے میں ان حقائق تک پہنچا ہو اور اپنے ان حقائق اور اپنی علمی اور عقلی یافت کے حوالے سے لوگوں کو خبردار کر رہا ہو' انہیں نیکی کی تلقین کر رہا ہو۔جیسے سورۃ لقمان میں حضرت لقمان کا قول نقل ہوا ہے: ﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ﴾ (آیت ۱۷) ''اے میرے بیٹے! نماز قائم کر' نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر' اور تجھ پر جو بھی مصیبت پڑے اس پر صبر کر۔'' تو یہاں انذارِ آخرت بھی ہے' توحید کی تلقین بھی ہے اور شرک کی مذمت بھی۔اس سورۂ مبارکہ میں شرک کی مذمت میں حضرت لقمان کا قول ہے:

﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾

''اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا! یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

تو گویا یہ تمام بنیادی حقائق نبوت اور کتاب کے بغیر بھی نوعِ انسانی کی رسائی میں ہیں، بشرطیکہ اس حوالے سے صحیح فکر کے نتیجے میں مختلف حکماء کی توحید تک رسائی ہو جائے، وہ پہچان لیں کہ بس حیاتِ دُنیوی سے پوری تسکین نہیں ہو رہی، ذہن مطمئن نہیں ہو رہا، بلکہ کوئی اور زندگی ہونی چاہئے اور یہ ہو کر رہے گی۔ اور پھر اس حوالے سے انہوں نے انذارِ آخرت بھی کیا ہو۔ تو یہ ''انذار'' اور ''ہدایت'' عام الفاظ ہیں۔ پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے ہادی اور مُنذر اٹھائے ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ نبی ہوں، لیکن کتاب درحقیقت شریعت سے عبارت ہے، یعنی ایک واضح ہدایت کہ یہ کرو، یہ نہ کرو، یہ حرام ہے اور یہ تمہارے لئے واجب اور فرض ہے۔ یہ چیز درحقیقت ذرّیتِ ابراہیمؑ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے، جس کے لئے قرآن مجید میں ایک آیت بھی موجود ہے کہ ﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ ''یقیناً میں آپ کو لوگوں کے لئے امام بنانے لگا ہوں''۔

امامت کا مقام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا ہے، درحقیقت اسی کا یہ ایک مظہر ہے کہ ''نبوت'' اور ''کتاب'' جو ہدایت خداوندی کی ایک معین شکل ہے، نسل ابراہیمیؑ کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔ نسل ابراہیمی کی ایک شاخ وہ ہے جو حضراتِ اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام سے چلی اور زیادہ تفاصیل ہمیں انہی کی معلوم ہیں۔ دوسری شاخ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چلی اور ان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ تیسری شاخ حضرت قنطورہ سے چلی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی ہیں۔ ان کے کئی بیٹے تھے۔ ہم ان میں سے صرف ایک سے واقف ہیں جن کی نسل قومِ مدین یا مدیان کہلائی ہے، جن میں حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ لیکن ان کی اولاد کہاں کہاں پھیلی ہے، اس کا ہمیں کوئی پختہ علم نہیں۔ جیسے میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت عیس یا عیسو کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں گئے۔ نسل تو وہ بھی ابراہیمؑ ہی کی ہوگی۔ اس نسل میں بھی کوئی نبی آئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے وہ دور دراز کے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے ہوں۔ لیکن بہرحال نبوت اور کتاب کی شکل اگر

ہے تو وہ صرف ذریتِ ابراہیمیؑ میں ہے۔ باقی عام اخلاقی ہدایات' عام اخلاقی تعلیمات' کم سے کم توحید کی تلقین اور شرکت کی مذمت' یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے چونکہ عقل سلیم اور فطرتِ سلیمہ میں ودیعت کر دی ہیں لہٰذا اس حوالے سے ہر قوم کے اندر کسی نبی' یا کسی ہادی یا کسی نذیر کا آنا بالکل قرین قیاس ہے اور ان دونوں چیزوں میں کوئی تضاد نہیں۔

یہ آیت مبارکہ ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے: ﴿فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ ۝﴾ ''پس ان میں ہدایت یافتہ بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل ہے''۔ اس سے پہلے فرمایا گیا تھا: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ ''اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی''۔ جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں آئے حضرت نوح علیہ السلام کی نسل میں نبوت و کتاب رہی۔ بعد ازاں حضرت ابراہیمؑ کے بعد اُن کی نسل میں نبوت و کتاب کو مخصوص کر دیا گیا۔ لیکن چاہے وہ ذریت نوحؑ ہو یا ذریتِ ابراہیمؑ' یہ سب کے سب نیک لوگ نہیں تھے۔ ان میں سے کچھ وہ بھی ہوئے جنہوں نے ہدایت اختیار کی' ہدایت یافتہ ہوئے' جبکہ ان میں سے بہت سے وہ ہیں کہ جنہوں نے اس راستے کو چھوڑا' اس سے اعراض و انحراف کیا' بدعات اور طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہوئے اور مشرکانہ اوہام میں مبتلا ہو گئے۔ بہر حال ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو ہدایت پر تھے' لیکن ان میں سے بہت سے فاسق اور نافرمان ہیں' وہ اللہ کی ہدایت سے مُنہ موڑ کر فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ کے بعد سلسلۂ ارسالِ رُسل

اس حصے کا اصل مضمون اس دوسری آیت میں آ رہا ہے۔ فرمایا: ﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا﴾ ''پھر ہم نے ان کے نقوش قدم پر اپنے بہت سے رسولوں کو اٹھایا''۔ یعنی حضراتِ نوح' ابراہیم علیہما السلام اور اُن کے جو صالح پیرو تھے ان کے نقشِ قدم پر بہت سے رسولوں کو بھیجا گیا۔ ''قفٰی'' کا مطلب ہے کسی شے کے پیچھے لگنا' کسی کی پیروی کرنا۔ اس ''ق ف ی'' مادہ سے اردو میں بھی ایک لفظ بنتا ہے ''قافیہ'' (جمع

قوافی)۔ یہ لفظ شعر کے پیچھے آتا ہے جس کے حوالے سے اشعار میں ایک ردھم قائم ہوتا ہے' یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ لفظ ''قَفَّیْنَا'' قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے جن میں سے دو مقامات تو یہی ہیں۔ اس مادے سے صرف ایک جگہ یہ لفظ اس طرح آیا ہے:﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا﴾ (بنی اسرائیل) ''اور اس چیز کے پیچھے مت پڑو جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے۔ یقیناً سماعت' بصارت اور عقل ان تمام چیزوں کے بارے میں بازپُرس ہوگی''۔ ''وَلَا تَقْفُ'' کا مطلب ہے مت پیچھے لگو' مت پیچھے پڑو اُن چیزوں کے جن کے لئے تمہارے پاس کوئی واضح علم نہیں ہے۔ ہم نے تمہیں سماعت' بصارت اور عقل کی جو صلاحیتیں دی ہیں اس لئے دی ہیں کہ ان کی رہنمائی کو اختیار کرو۔ غور و فکر کرو' سوچ بچار کرو۔ پھر دوسری چیز ہدایت ہے جس کے لئے یہ وحی کا سلسلہ ہے۔ لیکن اس سے ہٹ کر طرح طرح کے اوہام ہیں' جیسے ستارہ شناسی اور دست شناسی ہے۔ یہ چیزیں ہمارے ہاں ''occult sciences'' کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح ہمارے ہاں علم الاعداد (سائنس آف نمبرز) ہے۔ اگرچہ ان سب کو سائنس کا نام دے دیا گیا ہے لیکن ان کو occult sciences کہتے ہیں۔ قرآن کی راہنمائی یہ ہے کہ ان کے پیچھے نہ پڑو۔ درحقیقت سمع و بصر اور عقل کی جو صلاحیتیں دی گئی ہیں یہ اُن کی ناقدری ہے کہ انسان اِن چیزوں کی پیروی کرے' ان کے پیچھے پڑے۔

حضرت عیسیٰؑ اور ان کے متبعین کا تذکرہ

آگے فرمایا: ﴿وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ﴾ ''اور پھر ہم نے ان کے پیچھے اُٹھایا مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو اور اسے ہم نے عطا کی انجیل''۔ نبوت کے ساتھ کتاب کا ایک خاص ربط ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی' اور اُن کے بعد جو بہت سے انبیاء بنی اسرائیل ہیں ان کو بہت سے صحیفے دیئے گئے۔ خاص طور پر ایک صحیفہ ''زبور'' کے نام سے مشہور ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو دیا گیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل کے ساتھ مبعوث کیا گیا۔ آگے فرمایا گیا: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ

اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ﴾ ''اور جن لوگوں نے اس کی پیروی کی (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی) ان کے دلوں میں ہم نے رأفت اور رحمت پیدا کر دی''۔ ''رأفت'' اور ''رحمت'' تقریباً مترادف الفاظ ہیں۔ بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ جو مترادفات کے طور پر مستعمل ہوتے ہیں' لیکن ظاہر بات ہے کہ دو الگ الگ الفاظ کے دو مفہوم یقیناً ہوتے ہیں اور جب وہ بیک وقت سامنے آتے ہیں تو پھر غور کرنا پڑتا ہے کہ ان کے مابین فرق کیا ہے' ورنہ وہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ''ایمان'' اور ''اسلام'' مترادف بھی ہیں (ہمارے منتخب نصاب میں یہ الفاظ بار بار استعمال ہوئے ہیں) لیکن ان کا اپنا علیحدہ مفہوم بھی ہے۔ اسی طرح جہاد و قتال' نبوت و رسالت اور نبی و رسول تقریباً مترادف بھی ہیں لیکن ان کا علیحدہ علیحدہ مفہوم اور مضمون بھی ہے۔ اس کے بارے میں اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ: ''اِذَا تَفَرَّقَا اجْتَمَعَا وَاِذَا اجْتَمَعَا تَفَرَّقَا'' کہ جب یہ جوڑوں کے الفاظ علیحدہ علیحدہ آتے ہیں تو مفہوم تقریباً ایک ہی ہوتا ہے' لیکن جہاں دونوں ایک ساتھ آ جائیں گے تو وہاں یقیناً کوئی نہ کوئی فرق ہوگا جس کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ یہاں پر بھی رأفت اور رحمت جوڑا بن کر آئے ہیں۔ ان دونوں میں نسبت یہ ہے کہ رأفت اس کیفیت کا نام ہے جس کے تحت کسی کے دکھ اور درد کو انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اس کے لئے فارسی کا لفظ ''ہمدردی'' مستعمل ہے جو اِس مفہوم کو بہت خوبصورتی سے ادا کرتا ہے۔ جیسے ایک جماعت کے لوگ ہم جماعت اور ایک زمانے کے لوگ ہم عصر کہلاتے ہیں اسی طرح ہمدرد کا مطلب ہے جن کا درد باہم مشترک ہے' یعنی ایک دوسرے کے درد کو محسوس کرنے والے لوگ ہمدرد ہیں۔ جیسے کسی شاعر نے کہا:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

اس ہمدردی کے مادے کو ایک حدیث میں رِفق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((مَنْ یُحْرَمِ الرِّفْقَ فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ)) ''جو شخص دل کی نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ کُل کے کُل خیر سے محروم ہو گیا۔'' یعنی کٹھور دل' سخت دل انسان خیر سے بالکل

محروم ہو جاتا ہے۔اسی طرح رقیق القلب اور شفیق کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔آپ کا مشفق وہ ہے جسے آپ کے بارے میں اندیشے رہیں کہ آپ کو کہیں کوئی گزند نہ پہنچ جائے' کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے' کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔یہ شفقت ہے۔ والدین کی شفقت یہی ہے کہ انہیں ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ اولاد کو کہیں کوئی نقصان نہ ہو' کوئی گزند نہ پہنچے۔ان تمام کیفیات کے لئے ''رأفت'' درحقیقت ایک جامع عنوان ہے۔یہ دل کی وہ کیفیت ہے کہ جس میں کسی کے دکھ درد کو انسان خود اپنے باطن میں محسوس کر سکے۔اس کا نتیجہ نکلتا ہے ''رحمت'' کی صورت میں۔رحمت یہ ہے کہ اب آپ اس کے درد کو بانٹنے کی کوشش کریں' اس کے ازالے کی کوشش کریں' اس کی تکلیف کو رفع کرنے کی کوشش کریں۔تو رحمت گویا اس کا نتیجہ ہے۔رأفت اور رحمت اب جوڑے کی شکل میں آئے ہیں اور بیک وقت دونوں الفاظ آئے ہیں تو ان میں یہ نسبت ہے۔یہ الفاظ یا تو اللہ کے لئے آتے ہیں' جیسے رؤف اور رحیم' یعنی نہایت شفیق' نہایت مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا۔یا پھر یہ حضور ﷺ کے لئے سورۃ التوبۃ کی آخری سے پہلی آیت میں آئے ہیں: ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''(آپ ﷺ) مؤمنوں کے حق میں نہایت شفیق اور نہایت رحیم ہیں''۔حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں کے لئے بھی یہ الفاظ آئے ہیں۔اس لئے کہ اُن کے دلوں میں ایک خاص رقتِ قلبی تھی۔اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مابین یہ وصف بہت ہی مشترک تھا۔اس اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ حضور ﷺ کی شخصیت کا ایک کامل پرتو تھے۔یہ ہے رأفت اور رحمت۔

رہبانیت کی اصل حقیقت

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۟ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾ ''اور رہبانیت کی بدعت خود انہوں نے ایجاد کی تھی' ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا تھا''۔اس رأفت اور رحمت کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ جب یہ چیز حدّ اعتدال سے تجاوز کر گئی تو اس نے رہبانیت کی شکل اختیار کر لی۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ لفظ ''رَہبانیت'' اصل میں کیا ہے۔ عام طور پر ہم رُہبانیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لفظ دونوں درست ہیں لیکن یہاں رَہبانیت ہے رُہبانیت نہیں ہے۔ رَہب کہتے ہیں خوف کو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ﴾ (البقرۃ) ''پس مجھ ہی سے ڈرو''۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال:۶۰) '' (مسلمانو!) اپنے دشمنوں کے لئے اپنے پاس حتی الامکان طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے (یعنی وقت کے تقاضوں کے مطابق جدید ترین اسلحہ تیار رکھو) تاکہ تم ڈراؤ (خوف زدہ کرو) اپنے دشمنوں کو بھی اور اللہ کے دشمنوں کو بھی''۔ تو ''رَہب'' کا مطلب ہے خوف۔ رَہب سے ''رَ'' کے زبر کے ساتھ رَہبان بنتا ہے۔ جیسے رَحم سے رَحمان۔ یہ فَعلان کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے کہ جب کوئی وصف بہت ہی ہیجانی کیفیت میں ہو' طوفانی انداز کا ہو' ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہو۔ اسی طرح کی رحمت ''رحمان'' کے لفظ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ تو رَھبان سے مراد وہ شخص ہے جس کے اندر بہت ہی زیادہ خشیت الٰہی ہو' اللہ کا خوف' آخرت کی باز پُرس کا خوف انتہائی شدت اختیار کر جائے۔ یعنی بہت زیادہ خوف زدہ' بہت زیادہ ڈرنے والا۔ اور ''رَہبانیت'' اس کیفیت کا نام ہے۔ اور اس سے جو ایک نظام وجود میں آتا ہے اس کے لئے گویا کہ یہ بطور اسمِ علَم ہے۔ جبکہ رَہب سے اسم فاعل ''راہب'' ہے اور اس کی جمع ''رُ'' کے پیش کے ساتھ ''رُہبان'' ہے۔ اس سے رُہبانیت بنا ہے جس کا مطلب ہے راہبوں کا طریقہ' راہبوں کا مسلک' راہبوں کا انداز۔ تو ''رُہبانیت'' اور ''رَہبانیت'' کے اس فرق کو نوٹ کر لیں۔ فرمایا گیا: ﴿وَرَهْبَانِیَّةَ ۟ ابْتَدَعُوْهَا﴾ ''اور رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود اختیار کر لی۔'' اس سے مراد کیا ہے؟ درحقیقت دنیا میں یہ ایک نظام ہے کہ انسان جہاد اور قتال کے راستے سے ہٹ کر کوئی راستہ نکالے اور شیطان انسان کی تمام تر توجہ کو صرف ذاتی اصلاح کے اوپر مرکوز کر دے' اور اس میں اس درجے تشدد ہو جائے کہ انسان اپنی نفس

کشی پر آمادہ ہو جائے۔

دیکھئے ایک تو ہے ضبطِ نفس (self control)۔ یہ تو مطلوب ہے' اس کے بغیر تو ظاہر بات ہے کہ انسان بھلائی اور نیکی کا کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔ تقویٰ نام ہی اسی کا ہے کہ پہلے انسان کو اپنے نفس کے اوپر کنٹرول حاصل ہو اور پھر وہ اسے اللہ کے سامنے جھکا دے۔ تو تقویٰ اور ضبطِ نفس گویا کہ تقریباً مترادف الفاظ ہیں۔ لیکن ایک لفظ ہے ''نفس کشی''۔ نفس کشی یہ ہے کہ انسان کے اندر جب یہ جذبہ ایک حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو پھر وہ اپنے آپ کو اذیتیں پہنچاتا ہے' اپنے نفس کو اس کی کوئی بھی مرغوب شے فراہم نہیں کرتا' ہر طرح سے اس کے تقاضوں کو کچل ڈالتا ہے۔ انگریزی میں ''self annihilation'' کا لفظ اس کی بہترین تعبیر ہے۔ یعنی انسان نفس کشی میں اتنا مبالغہ کرے' اتنا تعمق کرے کہ جس کی نفی قرآن مجید میں بھی آئی ہے۔ فرمایا گیا ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (الاعراف:۳۲) ''(اے نبیؐ!) ان سے کہئے کہ کس نے حرام کی ہیں زینت کی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں' اور پاکیزہ چیزیں رزق میں سے؟'' بلکہ صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ ان چیزوں کو جائز راستے سے حاصل کرو' جائز راستے سے اچھا کھاؤ' اچھا پہنو۔ اسی طرح ادائے حقوق کا معاملہ ہے۔ اللہ کا جو حق ہے وہ ادا کرو' اپنے پڑوسی کا حق ادا کرو' رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔ اسی طرح سائلین اور محرومین کا حق ادا کرو۔ جیسے فرمایا گیا ہے: ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (الذّٰریٰت) ''اور ان کے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا حق ہے''۔ حقوق کے معاملے میں دین کا تصور تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ''اور یقیناً تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے''۔ اس کو بھی اس کا حق پہنچاؤ۔ اس کی جو بھی ضروریاتِ زندگی اور تقاضے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جسم کے اندر جو داعیات رکھ دیئے ہیں ان تمام تقاضوں اور داعیات کو جائز راستے سے پورا کرو۔

دراصل جب نیکی کا جذبہ حد اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے' اس میں مبالغہ' تعمق

اور گہرائی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر یہ ایک عجیب شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر انسان اپنے نفس کو اُس کے جائز حقوق بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا' بلکہ اُس پر قدغنیں لگاتا ہے۔ ہر طرح کی معاشرتی آسائشوں سے اپنے آپ کو محروم کر کے اور معاشرے سے کٹ کر دُور جنگلوں میں' پہاڑوں کی غاروں میں اور چوٹیوں پر جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص برفانی چوٹیوں پر ننگے بدن کھڑا سردی کو جھیل رہا ہے' تاکہ وہ اپنے نفس کو کچلے۔ یہ ہے درحقیقت وہ رَہبانیت کہ جس کی طرف کچھ لوگ مائل ہو گئے۔ یہ لوگ اپنی نیک نیتی اور نیک دلی سے اس راستے کی طرف گئے' لیکن شیطان نے اُن کے رخ کو موڑ دیا' انہیں divert کر دیا۔ شیطان نے انہیں غلط پٹی پڑھائی کہ بجائے اس کے کہ معاشرے میں رہ کر باطل کے ساتھ مقابلہ کرو' ظلم کا استیصال کرو' بدی کو ختم کرنے کی کوشش کرو' تم معاشرے سے ہی کٹ جاؤ اور جا کر کہیں جنگلوں' غاروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرو اور بس اسی نفس کُشی (self annihilation) کے اندر اپنی پوری زندگی بتا دو۔ یہ راستہ درحقیقت رَہبانیت ہے' جس کے بارے میں اسلام میں شدت سے نفی آئی ہے۔

ضبطِ نفس کا اسلامی تصور

مسند احمد بن حنبل میں حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے: ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ)) ''اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں''۔ اسی طرح غالباً مسند احمد ہی کی ایک روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((رَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ)) ''اِس اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔ یہ حضور ﷺ کا نہایت حکیمانہ قول ہے۔ اس سے زیادہ حکیمانہ بات نہیں ہو سکتی' کہ تم اپنے نفس کو تکلیفیں پہنچانا چاہ رہے ہو' یہی تکلیفیں جہاد فی سبیل اللہ میں بھی تو ہیں۔ جب تم غاروں میں بیٹھ کر اپنے نفس کو تکلیفیں پہنچاؤ گے تو اس سے اگر کوئی فائدہ پہنچے گا بھی تو صرف تمہاری اپنی ذات کو پہنچے گا۔ اگرچہ اس میں بہت سے خطرات بھی ہیں جو بہت زیادہ خوفناک نتائج پیدا کر سکتے ہیں' لیکن بالفرض اگر مثبت پہلو ہی سامنے رکھا جائے تو اس سے صرف تمہاری ذات کو

ہی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ یہی تکلیفیں تم اپنے نفس کو جہاد فی سبیل اللہ میں پہنچاؤ۔ وہاں جا کر بھوک بھی ستاتی ہے۔ ایسا وقت بھی آتا ہے' جیسا کہ غزوۂ تبوک میں ہوا ہے' کہ تین تین مجاہدین کے لئے چوبیس گھنٹے کا راشن صرف ایک کھجور ہے۔ اب اس سے زیادہ نفس کشی اور کیا ہوگی۔ لیکن یہ نفس کشی اس راستے میں ہے کہ جس سے دین کا غلبہ ہوگا' نظامِ عدل وقسط قائم ہوگا۔ اس سے بحیثیت مجموعی کروڑوں انسان ظلم' جبر واستبداد اور استحصال کے پھندوں سے نجات پائیں گے۔ ان کے لئے پھر ممکن ہوگا کہ وہ بھی اپنے پروردگار کی طرف کوئی توجہ کریں' اس سے لو لگائیں' اس کے ساتھ راتوں کو کھڑے ہو کر مکالمہ اور مخاطبہ کریں' اس کے ساتھ مناجات کریں۔ لیکن یہ تب ہوگا کہ انہیں ظلم کی چکیوں سے نکالا جائے۔ وہ جو کولہو کے بیل بنے ہوئے ہیں' جو بار برداری کے جانور بن کر رہ گئے ہیں' ان کے لئے کیا ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں اور کہیں کوئی اعلیٰ خیال بھی ان کے ذہن میں آ سکے؟ تو نوعِ انسانی کو اِن بندھنوں سے آزاد کرانے کے لئے جدوجہد کرو۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس جہاد فی سبیل اللہ میں بھوک بھی آ جائے گی' بے آرامی بھی آ جائے گی' تکلیفیں بھی آ جائیں گی۔ بجائے اس کے کہ غاروں میں جا کر اپنے نفس کو یہ تکلیفیں پہنچاؤ' وہ سارے مقاصد جہاد فی سبیل اللہ میں بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ((رَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) ''اِس اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔ اور یہی جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کا نقطۂ عروج (climax) یہ آیت ہے:

﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ..... ﴾ (الحدید: ۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی' تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں جنگ کی قوت ہے اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں.....''

اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ یہ بھی ہے کہ حرام سے اس کو بچا لو۔ فرض کیجئے اندر

سے کسی حرام کی خواہش جنم لے رہی ہے تو اپنے نفس کو اُس سے روکو۔ جیسے ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ (النّٰزعٰت) ''اور اس نے اپنے نفس کو روکے رکھا (اور اس کی لگامیں کھینچ کر رکھیں) خواہش سے''۔ بشرطیکہ وہ خواہش حرام کے راستے کی ہو۔ لیکن اگر جائز کی خواہش ہے تو اس کے لئے تو فرمایا گیا ہے: ((وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ''یقیناً تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے''۔ یعنی ادائے حقوق کے اندر یہ بھی شامل ہے کہ اپنے نفس کو اس کا حق ادا کرو۔ رَہبانیت میں نہایت تشدد ہوتا ہے۔ بلکہ میں اس کے لئے تعمق کا لفظ استعمال کرتا ہوں کہ بہت گہرائی میں جانا' چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں بھی' جن کو ہم صغائر کہتے ہیں' نہایت حساس ہو جانا اور اپنے اوپر بہت سختی کرنا۔ اس سلسلے میں سنن ابی داؤد میں حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی حدیث نبویؐ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ)) ''اپنے اوپر زیادہ تشدد نہ کرو (زیادہ سختی نہ کرو' اس نفس کو جائز چیزوں سے تو محروم نہ کرو) ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تم پر سختی کرے گا (اور یہ سختی تمہارے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گی) ((فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ)) ''اس لئے کہ تم سے پہلے بھی ایک قوم ایسی گزری ہے جس نے اپنے اوپر بہت تشدد کیا (نفس کشی کی انتہا کو پہنچ گئے) تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی''۔ ((فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ)) ''پس ان کلیساؤں' گرجوں اور راہب خانوں میں ان کے بقایا بیٹھے ہوئے ہیں''۔ ان کا جو حشر ہے اس سے اللہ کی پناہ! خود مغربی مؤرخین نے Christian Monasticism کی جو تاریخ مرتب کی ہے اس میں جس طرح کی تفاصیل سامنے آتی ہیں اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی دور میں جن لوگوں نے اس کو ایجاد کیا یقیناً انہوں نے اپنے اوپر بہت تشدد اور سختی کی۔ دراصل کچھ لوگ تو باہمت ہوتے ہیں جو اُس سختی کو برداشت کر جاتے ہیں' اس کی پابندی کر جاتے ہیں' لیکن پھر اُن کے اکثر پیرو اُن چیزوں کی پابندی نہیں کر پاتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بظاہر راہب اور راہبائیں ہیں' غیر شادی شدہ ہیں' لیکن اندر خانے راہب خانوں کے اندر زنا کاری

ہو رہی ہے' حرامی اولاد پیدا ہو رہی ہے' ان کے گلے گھونٹے جا رہے ہیں اور راہب خانوں کے تہہ خانوں میں ناجائز اولاد کے قبرستان بن گئے ہیں۔

دراصل انسان جب اپنی فطرت سے کشتی کرتا ہے تو کچھ لوگ تو باہمت ہوتے ہیں جو واقعتاً اپنے نفس پر قابو پا لیتے ہیں' اسے کچل دیتے ہیں' لیکن اکثریت کا معاملہ یہ نہیں ہوتا' بلکہ انسان کی فطرت' اس کی سرشت اسے پچھاڑ دیتی ہے' اور پھر انسان جس طرح گندگی کے اندر گرتا ہے اور جس انتہائی پستی تک پہنچتا ہے' واقعہ یہ ہے کہ اس کا تذکرہ کرنا بھی بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ مت کرو اپنے اوپر تشدد۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے بار بار آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ قرآن مجید میں تین مقامات بہت اہم ہیں' جن میں کبائر سے بچنے کو کہا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (النساء)

''اگر تم اُن بڑی چیزوں سے جن سے تمہیں روکا جا رہا ہے' اجتناب کر لو گے تو چھوٹی چیزیں ہم خود ہی تم سے دور کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے''۔

عام طور پر جب مذہبی مزاج اور مذہبی ذہنیت بنتی ہے اور ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں تعمق شروع ہوتا ہے تو پھر بسا اوقات صورت وہ پیدا ہو جاتی ہے کہ مچھر چھانے جاتے ہیں اور سموچے اونٹ نگلے جاتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کے علماء پر تنقید کی تھی کہ تمہارا حال یہ ہے کہ مچھر چھانتے رہتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں تعمق بھی ہے' تشدد بھی ہے' تکلف بھی ہے اور over emphasis بھی ہے' لیکن بڑی بڑی چیزیں نگلی جا رہی ہیں۔

اسی طرح سورۃ النجم میں فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَآىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ﴾ (آیت ۳۲)

''جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں' الا یہ کہ کچھ قصور اُن سے سرزد ہو جاتے ہیں''۔

معمولی چیزیں انسان سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ ان کے بارے میں زیادہ حساس نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اصول یہ دیا گیا ہے کہ: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ (ہود:۱۱۴) ''یقیناً نیکیاں چھوٹی چھوٹی برائیوں کا ازالہ کرتی رہتی ہیں''۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ انسان وضو کرتے ہوئے اپنا چہرہ دھوتا ہے تو آنکھوں کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ یہ صغائر ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے غیر ارادی طور پر کسی نامحرم پر نگاہ پڑ گئی ہے' اور اُس وقت انسان نے بلا ارادہ کوئی تلذذ (Gratification) بھی محسوس کیا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے گا۔ وضو کرتے ہوئے جب آپ آنکھ دھوئیں گے تو اس کی جو کدورت اور کثافت ہے وہ دھل جائے گی۔ ہاں ارادے کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہو' ورنہ کبائر تک معاملہ چلا جائے گا۔

تیسرا مقام سورۃ الشوریٰ کا ہے جس میں فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ﴾

''اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں' اور جب بھی وہ غضب ناک ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں''۔

تو حقیقی طرزِ عمل یہ ہے کہ ایک تو اپنی پوری توجہ کو اس جدوجہد پر مرکوز کیا جائے کہ دین غالب ہو' نظامِ عدل وقسط قائم ہو' ظلم' باطل' استحصال اور جبر کا استیصال کر دیا جائے' اور دوسرے خود انسان کبائر سے بچا ہوا ہو' تمام بڑے بڑے گناہوں سے اس نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا ہو تو اللہ تعالیٰ صغائر کو دھوتے رہتے ہیں۔ جیسے فرمایا گیا ہے: ﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ﴾ ''ہم تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دیں گے''۔ اور: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ کہ انسان کی اچھائیاں اس کی چھوٹی چھوٹی برائیوں کا خود بخود ازالہ کرتی رہتی ہیں۔ وہ خود بخود دھلتی چلی جاتی ہیں۔

ضبطِ نفس اور اُسوۂ رسول ﷺ

عام طور پر ایک مذہبی مزاج کے اندر جو تشدد اور تعصب پیدا ہو جاتا ہے حدیث نبویؐ میں اس کی بہترین مثال موجود ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت انس بن مالک ؓ

سے روایت ہے: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ اِلٰی بُیُوْتِ النَّبِیِّ ﷺ یَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ ﷺ ''تین اشخاص حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے گھروں میں آئے اور اُن سے حضور ﷺ کی نفلی عبادت کے بارے میں سوال کیا''۔ ظاہر بات ہے فرض عبادت تو سب کے نزدیک متفق علیہ ہے! پانچ نمازیں تو سب کو پڑھنی ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ اور کتنی نمازیں پڑھتے ہیں' یعنی رات کو کتنی دیر تک آپ نوافل ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح رمضانِ مبارک کے روزے تو سب نے رکھنے ہی ہیں' حضور ﷺ نفلی روزے کتنے رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ تحقیق کی۔ ان کے اندر نیکی کا جذبہ بہت توانا اور طاقتور ہو کر اُبھر آیا تھا تو انہوں نے اندازہ کرنا چاہا کہ حضور ﷺ کا معمول کیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں: فَلَمَّا اُخْبِرُوْا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا ''جب انہیں اس کی خبر دی گئی تو انہوں نے اس کو کم تصور کیا''۔ ظاہر بات ہے کہ نہ حضور ﷺ کی زندگی میں کوئی تکلف و تصنع تھا اور نہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے اس معاملے میں' معاذ اللہ' کوئی مبالغہ آرائی ہو سکتی تھی۔ جو صحیح صحیح صورت حال تھی انہوں نے بیان کر دی۔ لیکن ان تین صحابہ ؓ کے اندازے سے یہ بات بہت کم نکلی۔ وہ سمجھتے تھے حضور ﷺ تو شاید ساری رات بستر سے اپنی کمر لگاتے ہی نہیں ہوں گے۔ لیکن انہیں معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تہجد اور نوافل پڑھتے ہیں لیکن رات کو استراحت بھی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان کا گمان تھا کہ حضور ﷺ تو روزے کا کبھی ناغہ ہی نہیں کرتے ہوں گے' ہمیشہ روزے رکھتے ہوں گے۔ انہیں بتایا گیا کہ نہیں' ایسا نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے روزے رکھنے کا اتنا معمول ہے۔ یہ بات ان کی توقع سے کم تھی۔ راوی فرماتے ہیں: فَقَالُوْا وَاَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ قَدْ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ ''اب انہوں نے (اپنے آپ کو تسلی دینے کے لئے) کہا کہ ہمارا حضور ﷺ سے کیا مقابلہ (ہم اپنے معاملے کو حضور ﷺ کے معاملے پر کہاں قیاس کر سکتے ہیں!) جب کہ ان کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ نے پہلے ہی معاف کر دیئے ہیں''۔ قَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاِنِّیْ اُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا ''اب ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو اب ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا

(قطعاً نہیں سوؤں گا)''۔ وَقَالَ آخَرُ اَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَلَا اُفْطِرُ ''دوسرے نے کہا میں تو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا' کبھی افطار نہیں کروں گا (ناغہ نہیں کروں گا)''۔ وَقَالَ الْاٰخَرُ وَاَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا "تیسرے نے کہا کہ میں تو عورتوں سے بالکل علیحدہ رہوں گا اور کبھی بھی شادی نہیں کروں گا۔''

فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَيْهِمْ فَقَالَ: ''پس رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا''۔ یہاں سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ کو جوں ہی یہ بات معلوم ہوئی آپؐ خود اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ((اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟)) ''کیا آپ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ یہ باتیں کہی ہیں؟'' ((اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ)) ''اللہ کی قسم! میرے اندر تم میں سب سے بڑھ کر اللہ کی خشیت ہے اور میں تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہوں''۔ یہ حضور ﷺ کا بہت ہی غیر معمولی انداز ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ((لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ)) ''لیکن (میرا معمول تو یہ ہے کہ) میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں (یعنی ناغہ بھی کرتا ہوں)''((وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ)) ''اور میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں'' ((وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ)) ''اور میں تو عورتوں سے نکاح کرتا ہوں (متعدد ازواج میرے گھر میں ہیں)'' ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ)) ''تو (کان کھول کر سن لو!) جو میری سنت سے اِعراض کرے گا (جسے میری سنت پسند نہیں ہے) اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں''۔ یعنی ہے تو یہ نیکی کا جذبہ جو بڑا مشتعل ہو گیا ہے' بہت ہی قوی ہو کر اُبھرا ہے' لیکن جان لو کہ اسے حدِ اعتدال میں اگر نہ رکھا تو حضور ﷺ کے اُسوہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ آپ کا اُسوہ اور سنت تو درحقیقت اس اعتدال پر مبنی ہے کہ نفس کا بھی حق ہے۔ جیسے ایک جگہ آپؐ نے فرمایا: ((وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ''اور یقیناً تیرے نفس کا بھی تم پر حق ہے''۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص ؓ کے بیٹے حضرت عبد اللہ ؓ کی شخصیت پر بھی اسی طرح کا زہد کا غلبہ ہو گیا تھا۔ آپؓ پوری پوری رات نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے بلا کر

جواب طلبی فرمائی: ((یَاعَبْدَ اللّٰہِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّھَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ)) ''اے عبداللہ! مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور پوری رات نماز پڑھتے ہو؟'' اب وہ حضورﷺ کے سامنے کیسے چھپائیں۔ عرض کیا: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ''حضورؐ! ایسا تو یقیناً ہے''۔ آپؐ نے فرمایا: ((فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ، فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَیْکَ حَقًّا)) ''ایسا مت کرو! روزہ بھی رکھو اور افطار (ناغہ) بھی کرو، رات کو قیام بھی کرو اور آرام بھی کرو۔ یقیناً تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں کا بھی تم پر حق ہے''۔ تمہارے اوپر جو بھی حقوق ہیں ان سب کو ایک اعتدال اور توازن کے ساتھ ادا کرو۔

مندرجہ بالا طویل متفق علیہ حدیث کی ایک اور روایت (version) بھی ہے جو سنن النسائی میں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین اشخاص کی بات پر حضورﷺ نے باقاعدہ اجتماع میں بھی خطاب فرمایا۔ یعنی ایک تو ان تینوں اشخاص کے پاس جا کر آپؐ نے ان کو تنبیہ فرمائی کہ یہ میرا راستہ اور طریقہ نہیں ہے، اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) لیکن اس پر مستزاد یہ کہ آپﷺ نے باقاعدہ ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ روایت میں ہے: فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ: ((مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَقُوْلُوْنَ کَذَا وَکَذَا لٰکِنِّیْ اُصَلِّیْ وَاَنَامُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) اس روایت سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ حضورﷺ نے جب یہ دیکھا کہ یہ صرف ان تین افراد کا معاملہ نہیں، بلکہ یہ ایک رجحان ہے، اور ممکن ہے یہ چیز مسلمانوں کی جماعت کے اندر زیادہ بڑے پیمانے پر سرایت کر جائے تو حضورﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے اللہ کی حمد و ثناء کی، اس کے بعد عمومی الفاظ کی شکل میں فرمایا: ''کیا ہو گیا ہے لوگوں کو کہ ایسی ایسی باتیں کر رہے ہیں؟'' کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی ناغہ نہیں کروں گا۔ کوئی کہتا ہے کہ میں پوری پوری رات نماز پڑھا کروں گا اور کوئی کہتا

ہے کہ میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گا۔ لیکن غور سے سن لو: ''(میرا طریقہ یہ ہے کہ) میں نوافل بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' اور روزہ رکھتا بھی ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں' اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں (میں تو ازدواجی زندگی گزار رہا ہوں)' تو جو بھی میری سنت سے اعراض کرے گا (یا جسے بھی میری سنت پسند نہیں ہے) اس کا پھر مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

اس سے دو باتیں اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ پہلی بات یہ کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ جیسے فرمایا گیا ہے: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ﴾ (الروم:۳۰) ''اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے''۔ اس میں اعتدال اور توازن ہے۔ ضبطِ نفس (self control) درکار ہے لیکن نفس کشی (self annihilation) ہرگز پسندیدہ نہیں ہے' یہ رَہبانیت خلافِ فطرت ہے۔ اس کے خلافِ فطرت ہونے کے باعث بسا اوقات انسان اپنے آپ سے شکست کھا جاتا ہے۔ وہ نفس کشی کا فیصلہ تو کر لیتا ہے لیکن اس کی پابندی نہیں کر پاتا (اسی آیت مبارکہ کے آخر میں یہ مضمون آئے گا)۔ اور دوسری بات' جو اصل میں اس climax اور anti climax کے مابین ربط قائم کرتی ہے' وہ یہ ہے کہ اسلام درحقیقت یہ چاہتا ہے کہ انسان کا رُخ اقامت دین کی طرف رہے۔ یعنی وہ انقلابی عمل میں مصروف ہو۔ اس کی اصل توجہ ظلم کے خاتمہ اور باطل کے استیصال کی طرف رہے۔ بدی کے ساتھ پنجہ آزمائی ہو۔ اس کے دوران بھی ظاہر بات ہے کہ تکالیف اور مصائب آئیں گے۔ فاقے بھی آئیں گے' پیٹوں پر پتھر بھی باندھنے پڑ جائیں گے' راتوں کو سونا نصیب نہیں ہوگا۔ مختصراً یہ کہ وہ ساری مشکلات اور مصائب جو خواہ مخواہ ایک تکلف و تصنع کی شکل میں اس نظامِ رہبانیت میں انسان اپنے اوپر طاری کرتا ہے' سب کے سب آئیں گے' لیکن وہ کارآمد (Productive) ہوں گے' اس اعتبار سے کہ معاشرے میں عدل قائم ہو' انصاف کا دور دورہ ہو۔ اور یہ رَہبانیت کا نظام تو درحقیقت ایک اعتبار سے ظلم کو' باطل کو' بدی کو اور شر کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اس لئے کہ جو نیک لوگ ہیں وہ میدان سے گویا ہٹ

گئے' وہ معاشرے کو چھوڑ کر کہیں غاروں کے اندر بیٹھ گئے اور یہ دنیا اب ظالموں اور شریر لوگوں کے لئے خالی ہوگئی اور انہیں کھلی چھوٹ حاصل ہوگئی کہ اور کھل کھیلیں۔ ان کو کوئی چیلنج کرنے والا نہیں رہا۔ اس اعتبار سے میں کہتا ہوں کہ یہ شیطان کا اغوا اور اضلال ہے۔ علامہ اقبال نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں اس کی بہترین تعبیر کی ہے۔ ابلیس نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ ؎

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

لہٰذا اس نے اپنے چیلے چانٹوں کو ہدایات دیں کہ ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

اپنی توجہ آیت زیر مطالعہ پر مرکوز کیجئے۔ فرمایا: ﴿ وَرَهْبَانِيَّةَ ۟ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ﴾ ''رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کی' ہم نے اسے اُن پر لازم نہیں کیا تھا''۔ یہاں اس لفظ ''بدعت'' کو سمجھ لیجئے۔ ایک ہے اجتہاد۔ یعنی کتاب وسنت میں جو اصول دیئے گئے ہیں ان سے اجتہاد کرتے ہوئے نئی صورت حال میں شریعت کا حکم تلاش کرنے کی کوشش کرنا۔ جبکہ بدعت سے مراد ہے ایک ایسی چیز جس کی کوئی اصل ہے ہی نہیں' یعنی بے بنیاد بات۔ اور یہاں پر اِس رَہبانیت کو بحیثیت ایک ادارے' نظام اور فلسفے کے قرآن مجید بدعت قرار دے رہا ہے۔ آگے ارشاد ہے: ﴿ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ ﴾ ''مگر اللہ کی خوشنودی کی تلاش میں''۔ اس سے دو مفہوم مراد لئے گئے ہیں۔ یہ مقام مشکلاتِ قرآن میں سے ہے۔ یہ بھی جان لیجئے کہ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کا احتمال ہوتا ہے کہ دو مفہوم ہو سکتے ہیں' دو امکانات ہیں' تو وہاں پر دونوں ہی اپنی جگہ پر قیمتی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ﴿مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ﴾ کی ایک ترجمانی یوں کی جاتی ہے کہ ''ہم نے نہیں فرض کیا تھا اُن پر کچھ بھی سوائے اس کے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کریں''۔ یعنی ہم نے یہ تو فرض

کیا تھا کہ اللہ کو راضی کرو' لیکن یہ رَہبانیت ہم نے فرض نہیں کی تھی۔ جبکہ ایک ترجمانی یوں کی گئی ہے کہ انہوں نے جو رَہبانیت کی بدعت ایجاد کی وہ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے تھی۔ یعنی بدنیتی نہیں تھی۔ بسا اوقات نیکی کا جذبہ حدِّ اعتدال سے تجاوز کر کے بدی کے راستے پر پڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا تین صحابہ کرام ؓ کا معاملہ معاذ اللہ کسی بدنیتی پر مبنی تو نہیں تھا۔ نیکی اور خیر کا جذبہ ہی تھا۔ اللہ سے لو لگانے کا جذبہ ہی تھا۔ لیکن بعض اوقات بدنیتی کے بغیر بھی کوئی شے کسی شر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس کے لئے درحقیقت ہمارے پاس تحفظ کا ذریعہ اسوۂ رسول ﷺ ہے۔ چنانچہ ہمارے اس منتخب نصاب کے درس نمبر۲ [آیۂ بر (البقرۃ:۱۷۷)] کا مضمون یہی ہے کہ نیکی کا ایک ماڈل سامنے ہونا چاہئے جس کے حوالے سے آپ مختلف چیزوں کے مابین نسبت و تناسب کو معین کر سکیں۔ دیکھئے حضور ﷺ نے مختلف تقاضوں کو کس خوبصورتی اور تناسب سے سمویا ہے! حضور ﷺ نے ان چیزوں کے مابین جو امتزاج پیدا کیا ہے اس میں توازن کس درجے ہے! اعتدال کس درجے کا ہے! سیرت النبی ﷺ کا سب سے بڑا حسن یہی جامعیت کبریٰ ہے۔

اس موضوع پر میں نے ایک مرتبہ مقالہ بھی لکھا تھا۔ صدر ضیاء الحق نے سیرت نبویؐ کی کانفرنسوں کا آغاز کیا تھا تو اس میں میرے مقالے کا موضوع یہی تھا کہ حضور ﷺ کی سیرت کا سب سے زیادہ نمایاں اور امتیازی وصف توازن اور اعتدال ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف بلکہ متضاد تقاضوں کو اپنی شخصیت میں سمویا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین!

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم

ضروری اطلاع

حکمت قرآن کا آئندہ شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰۴ء کی مشترکہ اشاعت کا حامل ہوگا اور ان شاء اللہ دسمبر کی ابتدائی تاریخوں میں قارئین تک پہنچ جائے گا۔ قارئین اور ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں!

رمضان' روزہ اور قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم ۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول دینے والی ہیں۔''

اس آیۂ مبارکہ میں فضیلتِ ماہِ رمضان کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔ پھر اس آیۂ مبارکہ میں قرآن مجید کی تین شانیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلی یہ کہ قرآن ''ھُدًی لِّلنَّاسِ'' ہے۔ دوسری یہ کہ یہ ہدایت گنجلک نہیں ہے' بلکہ روشن دلائل کے ساتھ اس میں انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی گزارنے کے لئے واضح رہنمائی موجود ہے اور تیسری یہ کہ یہ ''الفرقان'' ہے' یعنی حق و باطل کو جدا کرنے' اُن میں فرق و امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ قرآن حکیم کی ان شانوں کے حوالے سے دل تو یہ چاہتا تھا کہ موجودہ مضمون میں ''عظمت قرآن'' کے موضوع پر کچھ لکھا جائے۔ لیکن خیال آیا کہ جہاں تک قرآن مجید کی عظمت' اس کے مقام و مرتبہ اور اس کی شان کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اس کا بیان تو کجا اس کا کماحقہٗ ادراک بھی کسی انسان کے بس میں نہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ ع

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند گوہری

قرآن حکیم کے اصل مقام و مرتبہ کا علم صرف اُس شاہِ ارض وسماوات کو ہے جس کا یہ کلام ہے' اور اس کی حقیقی قدر و قیمت اور منزلت سے آگاہ صرف وہ ذاتِ بابرکات ہے جس پر یہ نازل ہوا' یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ۔ پھر یہ کہ ''عظمتِ قرآن'' کا موضوع زیادہ تر علمی نوعیت

کا ہے' جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہدایات وتعلیماتِ قرآنیہ کے کچھ عملی پہلو ہمارے سامنے آتے رہیں۔ اگر علم میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور عمل میں ترقی نہ ہو تو یہ مفید ہونے کے بجائے الٹا نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی ہمارے دین کا مزاج یہ ہے اور یہ مزاج صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بہت نمایاں تھا کہ وہ علمی نکات کی طرف زیادہ نہیں جاتے تھے' بلکہ قرآن مجید کے عملی پہلوؤں پر زیادہ توجہ صرف کرتے تھے تاکہ قرآن مجید کی ہدایات و تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دین و دنیا کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوں۔

الغرض قرآن حکیم کی حقیقی عظمت تو وہ ہے جو ہمارے وہم و خیال سے بھی بالاتر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اس پر اپنے قلم کی جولانی دکھائیں یا قوتِ لسانی استعمال کریں تو کہیں نہ کہیں توہین کے مرتکب ہو جائیں۔ اس لئے کہ کسی کی عظمت بلند تر ہو اور ہم اُسے کمتر بیان کریں تو یہ گویا ایک نوع کی توہین ہے۔ ہمارا صحیح طرزِ عمل یہ ہونا چاہئے کہ سوچا جائے کہ قرآن مجید سے ہمارا قلبی اور عملی تعلق کیا ہے! اور اس کی ہدایات وتعلیمات سے ہماری صحیح وابستگی ہے یا نہیں! اور قرآن مجید کے ہم پر کیا حقوق ہیں اور ان کو ادا کرنے کے لئے ہم شعوری طور پر کس قدر کوشاں ہیں!

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کی عظمت کا موضوع بھی یقیناً بہت اہم ہے۔ خود قرآن مجید میں قرآن کی عظمت کا بیان مختلف اسالیب اور مختلف پیراؤں میں آیا ہے۔ کہیں تمثیل کے پیرائے میں فرمایا کہ:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (الحشر)

''اس قرآن کو اگر ہم کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ (پہاڑ) دب جاتا' پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے۔ اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں' تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں''۔

اس تمثیل میں ہم سے کہا جا رہا ہے کہ قرآن کی عظمت کا صحیح ادراک تمہارے لئے ممکن نہیں ہے' کوئی تصور کر سکتے ہو تو اس مثال سے کرو۔ اور بھی بہت سے مقامات ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اس کلام پاک کی مدح و تعریف بیان فرمائی ہے۔ جیسے سورۂ یونس میں فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

''اے لوگو! تمہارے پاس آ گئی ہے نصیحت تمہارے ربّ کی طرف سے اور تمہارے سینوں میں جو روگ ہیں اُن کی شفا آ گئی ہے اور ہدایت و رحمت آ گئی اہل ایمان کے حق میں۔ (اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا مظہر اتم ہے۔ پس اس (فضل' انعام اور احسان) پر خوشیاں مناؤ (کہ اللہ نے قرآن جیسی نعمت تمہیں عنایت فرمائی) جو چیزیں لوگ جمع کرنے (کی فکر اور کوشش) میں لگے رہتے ہیں یہ (قرآن) اُن سے کہیں زیادہ قیمتی شے ہے''۔

اور بھی متعدد مقامات ہیں' اگر ان کا بیان بھی کیا جائے تو بھی کما حقہٗ حق ادا نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہاں ایک حدیث شریف کا ترجمہ مزید پیش کرنے پر اکتفا کروں گا' جسے امام ترمذی اور امام دارمی رحمہما اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' جس میں نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کی عظمت و فضیلت بیان ہوئی ہے۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ ﷺ نے ایک دن فرمایا: آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس (فتنہ کے شر) سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کتاب اللہ! اس میں تم سے پہلی اُمتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں' اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں' (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دُنیوی و اُخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں' قرآن مجید میں اُن سب سے بھی آگاہی دے دی گئی ہے) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں اُن کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قولِ فیصل ہے' وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے منہ موڑے گا) اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا' اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا' اُس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایتِ حق سے محروم رہے گا)۔ قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے' اور محکم نصیحت نامہ ہے' اور وہی صراط مستقیم ہے' وہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اُس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہو گئی اور محرفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کر اس کو محرّف کر دیا' اس طرح

قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تا قیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبر کا عمل اور اس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علمِ قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ بلکہ قرآن کے طالبینِ حق کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علم قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی اُن کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور اُن کا احساس یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے جو ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ (قرآن) کثرتِ مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا' قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے' وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبر کیا جائے گا اتنا ہی اس کے لطف و لذت میں اضافہ ہوگا) اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق و لطیف حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے:

﴿اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ﴾ (الجن)

''ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے' رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی طرف۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے''۔

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی' اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحق اجر و ثواب ہوا' اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا' اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی!''

زیرِ مطالعہ آیت کا اختتام ان الفاظ مبارکہ پر ہوا ہے: "وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ"۔ ان دو لفظوں میں نزولِ قرآن کا مقصد اور اس کی غایت بیان فرمائی ''تا کہ تم (اس لازوال نعمت پر) اللہ کا شکر ادا کرو''۔ قرآن کا شکر کیا ہے؟ یہ کہ ہم قرآن کی ہدایات' تعلیمات اور احکام کی پیروی کریں اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اس کے اوامر و نواہی کا پابند بنائیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ اور اس طرح قرآن مجید کے جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں' انہیں ادا کرنے کی فکر کریں۔ یہ بات بھی جان لیجئے کہ ہم جو روزہ رکھتے ہیں یہ بھی دراصل قرآن ہی کا حق ہے' جو ہم ادا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ماہِ صیام نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔

اس موقع پر نہایت اختصار سے عرض کرتا ہوں کہ اس مقام پر قرآن مجید کو "هُدًى لِّلنَّاس" فرمایا گیا ہے کہ یہ پوری نوعِ بشر کے لئے ہدایت ہے' جبکہ سورۃ البقرہ کے بالکل آغاز میں قرآن کو "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" قرار دیا گیا ہے کہ یہ خدا ترس لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ جن میں تقویٰ اور خدا خوفی نہیں وہ اس کتاب مبین سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ابوجہل اس سے محروم رہا' ابولہب اور ولید بن مغیرہ اس سے استفادہ نہیں کر سکے' جبکہ قرآن ان کی اپنی زبان میں نازل ہو رہا تھا اور اس ہستی پر نازل ہو رہا تھا جس کی بے داغ سیرت و کردار ان کی نگاہوں کے سامنے تھی' جسے وہ خود الصادق اور الامین قرار دے چکے تھے۔ لیکن پھر بھی محروم کے محروم رہے۔ علامہ اقبال نے خوب کہا ہے کہ ؎

حسنؓ ز بصرہ بلالؓ از حبش' صہیبؓ از روم
زخاکِ مکہ ابوجہل' ایں چہ بوالعجبیست

حقیقت یہ ہے کہ جن میں خود میلان نہیں ہے' خود رجحان نہیں ہے' جن کے دلوں میں راہِ حق کی جستجو اور طلب نہیں ہے' وہ اس "هُدًى لِّلنَّاس" سے استفادہ کرنے سے محروم رہ جائیں گے۔ اس کتاب سے استفادہ کے لئے تقویٰ' خدا ترسی اور راہِ حق کی طلب کی کوئی نہ کوئی رمق ہونی ضروری ہے۔

اب اس بات کو بالکل الجبرا کے فارمولے کی طرح ذہن میں جما لیجئے کہ قرآن اصل میں تو پوری نوعِ انسانی کے لئے ہدایت ہے لیکن اس سے استفادہ کی شرط تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے حصول کا ذریعہ روزہ ہے۔ لہٰذا اس ماہِ مبارک میں روزہ فرض کر دیا گیا جس میں قرآن نازل فرمایا گیا کہ اس ماہ کی برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کے لئے دن میں روزہ رکھو' اور روزے کے ذریعے سے تقویٰ کی کوئی رمق حاصل ہوئی ہے تو اس پونجی کو لے کر رات کو کھڑے ہو جاؤ۔ گویا زمین تیار کر لی گئی ہے اور تیار زمین پر بارش برسے تو یہ بارش اس کے لئے بہت مفید ہوتی ہے۔ اگر زمین پر ہل نہیں چلایا' بیج نہیں ڈالا تو اس زمین کو اس بارش سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ روزے کے ذریعے سے اپنے دل کی زمین کو کچھ تیار کر کے اور اس میں تقویٰ کی کچھ رمق پیدا کرنے کے بعد اب قیام اللیل کا اہتمام و التزام کرو۔ تاکہ بارانِ رحمت کا نزول ہو' کلامِ الٰہی تمہارے قلب پر نازل ہو۔ بقول علامہ اقبال ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی' نہ صاحب کشاف!

جب قرآن انسان کے قلب پر اُترتا ہے تو درحقیقت یہ اُس کے دل میں جذب ہوتا ہے۔ اگر دل میں تقویٰ کا ہل چل چکا ہو تو قرآن اس میں بہار لے آتا ہے۔

یہ آیت مبارکہ ختم ہوتی ہے "لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" کے الفاظ پر یعنی ''تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ''۔ اب ہمیں سمجھنا ہے کہ ''شکر'' کیا ہے' اگرچہ یہ لفظ اردو زبان میں عام مستعمل ہے اور لفظ شکریہ تو ہماری زبان پر بار بار آتا ہے۔ ایک مہذب انسان کی تو یہ عادتِ ثانیہ ہوتی ہے کہ وہ مہربانی پر شکریہ ادا کرتا ہے۔ لہٰذا تہذیبی و تمدنی زندگی میں یہ ''شکریہ'' بہت اہم ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری طرح سمجھا جائے کہ ''شکر'' درحقیقت کسے کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی ؒ نے ''مفردات القرآن'' میں لفظ ''شکر'' پر بڑی پیاری بحث کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ شکر کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ ''شکر بالقلب'' ہے' یعنی سب سے پہلے کسی کے احسان کا احساس اور شعور ہو۔ اس احسان' انعام یا نعمت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو۔ کسی نے آپ کے ہاتھ پر ہیرا رکھا اور آپ نے اسے کانچ کا ایک ٹکڑا سمجھا تو آپ اس کا کیا شکریہ ادا کریں گے! کسی نعمت کی قدر و منزلت کا جتنا ادراک و شعور ہوگا' اتنا ہی آپ اس نعمت کا شکریہ ادا کر سکیں گے۔ لہٰذا شکر کا پہلا درجہ اور مرحلہ شکر بالقلب ہے۔ دوسرا درجہ اور مرحلہ ہے ''شکر باللّسان'' یعنی دل میں جو جذباتِ شکر ابھرے ہیں' اب وہ الفاظ کا جامہ اختیار کر کے زبان پر آئیں گے اور آپ اپنے محسن و منعم کا زبان سے شکریہ ادا کریں گے۔ شکر کا تیسرا درجہ اور مرحلہ ہے ''شکر بالجوارح'' یعنی اپنے پورے وجود سے شکر کرنا۔ یہ شکر کیا ہے؟ اس کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ''شکر'' دراصل یہ ہے کہ اس نعمت کا حق ادا کیا جائے۔ اگر نعمت کا حق ادا نہیں کیا تو یہ بھی ناشکری ہے۔ میں اس کی تفہیم کے لئے سادہ ترین مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی بچے کو اس کے والد کوئی اعلیٰ کتاب لا کر دیتے ہیں' اس پر وہ بچہ فوراً Thanks Daddy کہہ کر اپنے مہذب ہونے کا ثبوت تو دے دیتا ہے' لیکن پھر اس کتاب کو الماری میں رکھ دیتا ہے اور اس کا مطالعہ ہی نہیں کرتا تو بتائیے کہ اس نے شکر کیا؟ حقیقت میں اس نے ناقدری کی' ناشکری کی' کفرانِ نعمت کیا۔ باپ نے کتاب اس لئے لا کر دی تھی کہ بچہ پڑھے تو اس کے علم و فہم میں وسعت ہو اور معلومات میں اضافہ ہو' لیکن اس بچے نے کتاب سے یہ فائدہ نہیں اٹھایا۔ چنانچہ نعمت کا حق ادا کرنا آخری درجہ کا شکر ہے۔

اب اس کے حوالے سے سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن جیسی کتاب دی۔ جیسے باپ نے بچہ کو کتاب لا کر دی[ایسے ہی ہمارے آسمانی باپ نے ہمارے لئے کتاب اتاری۔

آسمانی باپ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے انجیل میں آتا ہے اور اس اعتبار سے برا نہیں ہے کہ جیسے ہمارا باپ ہماری پرورش کرتا ہے' ویسے ہی اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پروردگار اور پالن ہار ہونے کی حیثیت سے آسمانی باپ ہے] ایسے ہی ہمارے پروردگار نے ہمیں کتاب دی ہے۔ اس لئے کہ ہم اس سے ہدایت اخذ کریں' اسے اپنا امام و رہنما بنائیں' اس سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کریں' اس سے اپنے سینوں کو آباد کریں اور اس کی تعلیمات سے استفادہ کریں۔ اس کتاب سے خالق و مالک کی معرفت حاصل کریں' اس کی صفاتِ کمال کا ادراک کریں' اس کی توحید کو پہچانیں' اس پوری کائنات بالخصوص انسان کی تخلیق کے مقصد کو جانیں' اپنے ربّ کی مرضیات کا شعور و فہم اور اس کے اوامر و نواہی سے آگہی حاصل کریں۔ لیکن اگر ہم نے اس کتاب کو بند کر کے رکھ چھوڑا اور اسے گاہے بگاہے چوم لیا' یا یہ اگر کہیں ہاتھ سے گر گیا تو اس کے ہم وزن گندم صدقہ کر دی' یا بچی کو اعلیٰ سے اعلیٰ نسخہ جہیز میں دے دیا' یا یہ کہ بہو جب پہلی بار گھر میں داخل ہو رہی ہو تو اس پر قرآن کا سایہ کر دیا' تو کیا قرآن کے یہ حقوق ہیں؟ کیا قرآن ان کاموں کے لئے دیا گیا تھا؟ قرآن تو اس لئے نازل کیا گیا تھا کہ نوعِ انسانی اپنے نظامِ حیات کے لئے اسے امام بنائے۔ چنانچہ اس قرآن نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس قرآن نے دنیا میں ایک صالح و عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ وہ ہمہ گیر انقلاب کہ آج بھی جب اس کی یاد تازہ کی جاتی ہے تو آدمی دنگ رہ جاتا ہے کہ بیس برس کے مختصر ترین عرصہ میں آج سے چودہ سو سال قبل اتنا عظیم و ہمہ گیر انقلاب!! اور آج چالیس من وزنی قرآن نمائش کے لئے رکھا ہوا ہے جس کے حروف سونے کے تاروں سے لکھے گئے ہیں۔ تو کیا یہ ہے قرآن کا اصل مصرف؟

پس قرآن مجید کی نعمت کا شکر اس کے شایانِ شان ادا کرنے کے لئے ہمیں اُس کے پنجگانہ حقوق ادا کرنا ہوں گے:

۱۔ ایمان و تعظیم۔ ۲۔ تلاوت و ترتیل۔ ۳۔ تذکر و تدبر۔
۴۔ احکام پر عمل اور نواہی سے پرہیز۔ ۵۔ اس کی تعلیمات کو عام کرنا۔

علامہ اقبال نے قرآن حکیم کے بارے میں کتنی پیاری بات کہی ہے۔

از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکر ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست!

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

از: لطف الرحمٰن خان

پروفیسر حافظ احمد یار صاحبؒ کے قلم سے اللغہ' الاعراب' الرسم اور الضبط پر مشتمل ''لغات و اعراب قرآن'' کا شہرۂ آفاق سلسلہ قریباً دس برس تک (۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۸ء) حکمت قرآن کے صفحات کی زینت بنتا رہا ہے۔ حافظ صاحب مرحوم و مغفور اپنی حیاتِ مستعار میں اس گرانقدر سلسلہ کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۱۰ تک پہنچا پائے تھے۔ حافظ صاحبؒ کے شاگرد رشید جناب لطف الرحمٰن خان صاحب نے ''لغات و اعراب قرآن'' کی راہنمائی میں صرفی و نحوی تشریح کے ساتھ ترجمہ قرآن حکیم کے اسباق مرتب کئے ہیں۔ طالبان قرآن حکیم کے استفادہ کے لئے ہم حکمت قرآن کے صفحات میں ان اسباق کی اشاعت کا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ ترجمہ قرآن مجید کا یہ سلسلہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۱۱ سے شروع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

سورۃ البقرۃ

آیت ۱۱۱

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾

ھ ت و

هَتْوًا (ن): کسی چیز کو توڑ کر روندنا۔

هِتَاءً (مفاعلہ): دوسرے کی بات کو روندنا' اپنی رائے دینا۔

هَاتِ (ج هَاتُوْا): فعل امر۔ تُو دے' تُو لا (آیت زیر مطالعہ)

ب ر ھ

بَرَهًا (س) : جسم کا صحت مند ہونا' صحت مند جلد کی طرح چمکدار ہونا۔

بُرْهَانٌ : فُعلانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی چمکدار' انتہائی روشن۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ زیادہ تر فیصلہ کن دلیل کے لئے آتا ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (المائدۃ:۴:۱۷۴) ''اے لوگو! آ چکی ہے تمہارے پاس ایک انتہائی روشن دلیل تمہارے ربّ کی طرف سے''۔

ترجمہ:

وَقَالُوْا : اور انہوں نے کہا — لَنْ يَّدْخُلَ : ہرگز داخل نہیں ہوگا

الْجَنَّةَ : جنت میں — اِلَّا مَنْ : سوائے اس کے جو

كَانَ هُوْدًا : یہودی ہو — اَوْ نَصٰرٰى : یا عیسائی ہو

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ : یہ اُن کی آرزوئیں ہیں — قُلْ : (آپؐ) کہئے!

هَاتُوْا : تم لوگ دو — بُرْهَانَكُمْ : اپنی روشن دلیل

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ : اگر تم لوگ سچے ہو

نوٹ (۱) هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى میں ''اَوْ'' تفصیل کے لئے ہے۔ یعنی یہودی اپنے لئے اور نصاریٰ اپنے لئے یہی بات کہتے تھے۔

نوٹ (۲) اس آیت میں بُرْهَانٌ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تورات یا انجیل میں ایسی کوئی بات موجود ہے تو اُسے سامنے لاؤ۔

آیت ۱۱۲

﴿بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

و ج ھ

وَجَاهَةً (ک) : بلند رتبہ ہونا' باعزت ہونا۔

وَجِيْهٌ : فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ بلند رتبہ' باعزت۔ ﴿اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ (البقرۃ:۴۵) ''ان کا نام مسیح ابن مریم (علیہ السلام) ہے بلند رتبہ ہوتے ہوئے دنیا اور آخرت میں''۔

وَجْہٌ (ج وُجُوْہٌ) : اسم ذات ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) کسی چیز کا اشرف یا ابتدائی حصہ۔ ﴿اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْہَ النَّھَارِ وَاکْفُرُوْٓا اٰخِرَہٗ﴾ (آل عمران:۷۲) ''تم لوگ ایمان لاؤ اُس پر جو نازل کیا گیا اُن پر جو ایمان لائے' دن کے اشرف حصہ میں (یعنی صبح کو) اور انکار کرو اُس کے آخر میں (یعنی شام کو)''

(۲) چہرہ (کیونکہ یہ انسان کا اشرف اور ابتدائی حصہ ہے) ﴿فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا﴾ (یوسف:۹۳) ''پس ڈالو اس کو میرے والد کے چہرے پر تو وہ ہو جائیں گے دیکھنے والے۔'' ﴿یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ﴾ (آل عمران:۱۰۶) ''جس دن سفید (یعنی روشن) ہو جائیں گے کچھ چہرے اور سیاہ ہو جائیں گے کچھ چہرے''۔

(۳) توجہ' خوشنودی۔ ﴿اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ﴾ (الدہر:۹) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ ہم کھلاتے ہیں تم لوگوں کو اللہ کی خوشنودی کے لئے۔'' ﴿اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْہُ اَرْضًا یَّخْلُ لَکُمْ وَجْہُ اَبِیْکُمْ﴾ (یوسف:۹) ''تم لوگ قتل کرو یوسفؑ کو یا پھینک دو اُس کو کسی زمین میں تو خالی (یعنی خالص) ہو جائے گی تمہارے لئے تمہارے والد کی توجہ۔''

جِھَۃٌ (ج وِجْھَۃٌ) : اسم ذات ہے۔ توجہ کرنے کی سمت۔ ﴿وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا﴾ (البقرۃ:۱۴۸) ''اور سب کے لئے توجہ کرنے کی کچھ سمتیں ہیں' وہ پھیرنے والا (یعنی اپنے چہرے کو پھیرنے والا) ہے اس کی طرف۔''

تَوْجِیْھًا (تفعیل):(۱) کسی کا رُخ کسی جانب کرنا۔ (۲) کسی کو کسی جانب بھیجنا۔ ﴿اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ (البقرۃ:۷۹) ''میں رُخ کرتا ہوں اپنے چہرے کا اس کی طرف جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو۔'' ﴿اَیْنَمَا یُوَجِّھْہُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ﴾ (النحل:۷۶) ''جہاں کہیں وہ بھیجتا ہے اس کو تو وہ نہیں لاتا کوئی بھلائی۔''

تَوَجُّھًا (تفعّل): اپنا رُخ کسی جانب کرنا' متوجہ ہونا۔ ﴿وَلَمَّا تَوَجَّہَ تِلْقَاءَ مَدْیَنَ﴾ (القصص:۲۲) ''اور جب وہ متوجہ ہوئے مدین کے سامنے۔''

ترکیب: ''مَنْ'' شرطیہ ہے۔ ''اَسْلَمَ'' سے ''مُحْسِنٌ'' تک شرط ہے۔ ''فَلَہٗ'' سے ''یَحْزَنُوْنَ'' تک جوابِ شرط ہے۔ اَسْلَمَ میں شامل ضمیر ''ھُوَ'' اس کا فاعل ہے' جو کہ مَنْ کے لئے ہے۔ مرکب اضافی وَجْھَہٗ اس کا مفعول ہے' اس لئے اس کے مضاف وَجْہَ پر نصب آئی ہے۔ وَھُوَ مُحْسِنٌ کا ''واو'' حالیہ ہے۔ مرکب اضافی اَجْرُہٗ مبتدأ مؤخر ہے۔

اس کی خبر محذوف ہے' جو کہ "ثَابِتٌ" ہو سکتی ہے۔ فَلَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ خَوْفٌ مبتدأ نکرہ ہے' کیونکہ اصول بیان کیا گیا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ مَوْجُوْدٌ ہو سکتی ہے۔

ترجمہ

بَلٰی : کیوں نہیں	مَنْ اَسْلَمَ : جس نے تابع فرمان کیا
وَجْهَهٗ : اپنے چہرے کو	لِلّٰهِ : اللہ کے لئے
وَ : اس حال میں کہ	هُوَ : وہ
مُحْسِنٌ : بلاکم وکاست کام کرنے والا ہے	فَلَهٗ : تو اس کے لئے ہے
اَجْرُهٗ : اس کا اجر	عِنْدَ رَبِّهٖ : اس کے رب کے پاس
وَلَا خَوْفٌ : اور کوئی خوف نہیں ہے	عَلَيْهِمْ : اُن پر
وَلَا هُمْ : اور نہ ہی وہ لوگ	يَحْزَنُوْنَ : پچھتاتے ہیں

نوٹ (۱) قرآن مجید کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ اکثر وہ کسی چیز کے کسی جزو کا ذکر کر کے اس چیز کے کُل کو مراد لیتا ہے۔ نماز کے ذکر میں یہ انداز نسبتاً زیادہ واضح ہے۔ جیسے ﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (المزمل:۲)۔ اس میں نماز کے ایک رکن "قیام" کا ذکر کر کے نماز مراد لی گئی ہے۔ یا: ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ (البقرۃ:۴۳) اس میں نماز کے ایک رکن "رکوع" کا ذکر کر کے نماز باجماعت مراد لی گئی ہے۔ اسی طرح آیت زیرِ مطالعہ میں وَجْهَهٗ سے صرف چہرہ مراد نہیں بلکہ پوری شخصیت مراد ہے۔

آیت ۱۱۳

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾

ترکیب : اَلْيَهُوْدُ اور اَلنَّصٰرٰى عاقل کی جمع مکسر ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ افعال کے مذکر اور مؤنث دونوں صیغے جائز ہیں۔ اس آیت میں قَالَتْ اور لَيْسَتْ مؤنث کے صیغے آئے ہیں۔

لَيْسَتِ النَّصٰرٰى اور لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ میں اَلنَّصٰرٰى اور اَلْيَهُوْدُ دونوں لَيْسَتْ کا اسم ہیں' ان کی خبر محذوف ہے جو کہ قَائِمًا ہو سکتی ہے' جبکہ عَلٰى شَيْءٍ متعلق خبر ہے۔ وَهُمْ يَتْلُوْنَ کا

''واؤ'' حالیہ ہے۔ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کا مفعول ''قولاً'' محذوف ہے' مرکب اضافی مِثْلَ قَوْلِھِمْ اس کی صفت ہے' اس لئے مضاف مِثْلَ پر نصب آئی ہے۔

ترجمہ

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ :اور کہا یہود نے	لَیْسَتِ النَّصٰرٰی :نہیں ہیں عیسائی
عَلٰی شَیْءٍ :کسی چیز پر	وَقَالَتِ النَّصٰرٰی :اور کہا عیسائیوں نے
لَیْسَتِ الْیَھُوْدُ :نہیں ہیں یہود	عَلٰی شَیْءٍ :کسی چیز پر
وَّ :اس حال میں کہ	ھُمْ یَتْلُوْنَ :وہ لوگ پڑھتے ہیں
الْکِتٰبَ :کتاب کو	کَذٰلِکَ :ایسے ہی
قَالَ :کہا	الَّذِیْنَ :ان لوگوں نے جو
لَا یَعْلَمُوْنَ :علم نہیں رکھتے	مِثْلَ قَوْلِھِمْ :ان کے قول کی مانند
فَاللّٰہُ :تو اللہ	یَحْکُمُ :فیصلہ کرے گا
بَیْنَھُمْ :ان کے مابین	یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ :قیامت کے دن
فِیْمَا :اس میں	کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ : وہ لوگ اختلاف کیا کرتے تھے جس میں

نوٹ (۱) اس آیت میں الْکِتٰبَ سے مراد ہے توراۃ اور انجیل۔ چنانچہ توراۃ اور انجیل پڑھنے والے علماء یہود اور علماءِ نصاریٰ کے قول کو نقل کرنے کے بعد ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایسی ہی بات وہ یہود اور نصاریٰ بھی کہتے ہیں جو علم نہیں رکھتے' یعنی جاہل ہیں۔ اس طرح عالم اور جاہل برابر ہو گئے۔ یہاں زندگی کے ایک اہم اصول کی جانب ہماری راہنمائی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ subjective thinking یعنی کسی آرزو سے مغلوب سوچ انسان کو عالم سے جاہل بنا دیتی ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے علماء کرام کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

آیت ۱۱۴

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا ؕ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝﴾

م ن ع

مَنْعًا (ف) : (۱) کسی کو کسی کام سے روکنا۔ ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ (الاعراف:۱۲) ''کس چیز نے روکا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو''۔

(۲) کسی چیز کو اپنے پاس روکنا' کنجوسی کرنا۔ ﴿وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ (الماعون) ''اور اپنے پاس روکتے ہیں برتنے کی چیز کو''۔

(۳) کسی کو نقصان پہنچانے سے روکنا' کسی کو کسی سے بچانا۔ ﴿اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النساء:۱۴۱) ''کیا ہم قابو یافتہ نہ تھے تم پر اور کیا ہم نے نہیں بچایا تم کو مؤمنوں سے؟''

مَانِعٌ (مؤنث مَانِعَةٌ) : (اسم الفاعل) : روکنے والا' بچانے والا۔ ﴿وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (الحشر:۲) ''اور انہوں نے گمان کیا کہ ان کو بچانے والے ہیں ان کے قلعے اللہ سے''۔

مَمْنُوْعٌ (مؤنث مَمْنُوْعَةٌ) : (اسم المفعول) : روکا ہوا۔ ﴿وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ (الواقعہ) ''اور کثیر پھل' نہ کاٹے ہوئے اور نہ روکے ہوئے''۔

مَنُوْعٌ : فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت روکنے والا۔ ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ (المعارج) ''اور جب بھی پہنچے اس کو بھلائی تو بہت کنجوسی کرنے والا ہو''۔

مَنَّاعٌ : فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت روکنے والا۔ ﴿مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ (ق:۲۵) ''بہت روکنے والا بھلائی سے''۔

س ع ی

سَعْيًا (ف): تیز تیز چلنا' کسی کام کے لئے بھاگ دوڑ کرنا' کوشش کرنا۔ ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ (الحدید:۱۲) ''جس دن تو دیکھے گا مؤمنوں اور مؤمنات کو' دوڑتا ہوگا اُن کا نور اُن کے سامنے''۔ ﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى﴾ (النّٰزعٰت:۳۵) ''جس دن یاد کرے گا انسان جو اُس نے بھاگ دوڑ کی''۔

اِسْعَ (فعل امر): تُو دوڑ' تو کوشش کر۔ ﴿اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الجمعۃ:۹) ''جب بھی ندا دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو تم لوگ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف''۔

سَعْيٌ (اسم ذات): بھاگ دوڑ' کوشش۔ ﴿فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ﴾ (الانبیاء:۹۴) ''تو

کسی قسم کی کوئی ناشکری نہیں ہے اس کی کوشش کی''۔

خ ر ب

خَرَبًا (س): کسی جگہ کا اجاڑ ہونا' ویران ہونا۔

خَرَابٌ (اسم ذات): ویرانی (آیت زیر مطالعہ)

اِخْرَابًا (افعال): اجاڑنا' ویران کرنا۔﴿یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ﴾ (الحشر:۲) ''وہ لوگ اُجاڑتے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے۔''

ترکیب: مَنْ استفہامیہ مبتدأ ہے اور اَظْلَمُ اس کی خبر ہے۔ مِمَّنْ اصل میں مِنْ اور مَنْ ہے۔ یہ مَنْ جمع کے مفہوم میں ہے۔ لفظی رعایت کے تحت فعل مَنَعَ اور سَعٰی واحد آیا ہے۔ پھر معنوی رعایت کے تحت اسم اشارہ اُولٰئِكَ اور لَهُمْ میں هُمْ کی ضمیر جمع آئی ہے۔ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مرکب اضافی ہے اور مَنَعَ کا مفعول ہے۔ فِیْهَا میں هَا کی ضمیر مساجد کے لئے ہے جبکہ اِسْمُهٗ میں هٗ کی ضمیر اللہ کے لئے ہے۔ خَرَابِهَا میں بھی هَا کی ضمیر مساجد کے لئے ہے خَآئِفِیْنَ حال ہے۔ خِزْیٌ اور عَذَابٌ عَظِیْمٌ مبتدأ مؤخر نکرہ ہیں اور ان کی خبریں محذوف ہیں۔

''اَنْ یُّذْکَرَ'' کی ترکیب میں تین احتمال ہیں: (۱) ''مَسٰجِدَ اللّٰهِ'' سے بدل اشتمال ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: ''مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ ذِکْرَ اسْمِهٖ فِیْهَا''۔ (۲) مفعول لہٗ ہونے کی بنا پر محلاً منصوب ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: ''کَرَاهِیَةَ اَنْ یُّذْکَرَ''۔ (۳) محلاً مجرور ہے اور اس سے پہلے مِنْ حرف جر مقدر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: ''مِنْ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا'' اور مِنْ حرف جر متعلق ہے مَنَعَ سے۔

ترجمہ

وَمَنْ : اور کون	اَظْلَمُ : زیادہ ظالم ہے
مِمَّنْ : اُن سے جو	مَّنَعَ : روکیں
مَسٰجِدَ اللّٰهِ : اللہ کی مسجدوں کو	اَنْ یُّذْکَرَ : کہ یاد کیا جائے
فِیْهَا : ان میں	اسْمُهٗ : اس کے نام کو
وَسَعٰی : اور کوشش کریں	فِیْ خَرَابِهَا : ان کی ویرانی میں
اُولٰئِكَ : یہ لوگ ہیں	مَا کَانَ لَهُمْ : نہیں تھا جن کے لئے

اَنْ يَّدْخُلُوْهَا : کہ وہ داخل ہوں ان میں	اِلَّا خَآئِفِيْنَ : مگر خوف کرنے والے ہوتے ہوئے
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا: ان کے لئے دنیا میں ہے	خِزْيٌ : ایک رسوائی
وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ: اور ان کے لئے آخرت میں ہے	عَذَابٌ عَظِيْمٌ : ایک عظیم عذاب

نوٹ (۱) مفتی محمد شفیعؒ نے ''معارف القرآن'' میں اس آیت سے حاصل ہونے والی راہنمائی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱) مسجد میں نماز اور ذکر سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔

۲) اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے سے صراحتاً روکا جائے۔

۳) دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور کر کے یا اس کے قرب و جوار میں شور کر کے لوگوں کی نماز اور ذکر میں خلل ڈالے۔ یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

۴) تیسری صورت یہ ہے کہ جب لوگ اپنی نوافل یا تسبیح و تلاوت میں مصروف ہوں اس وقت مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر کرنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے۔ اس لئے یہ بھی ناجائز ہے۔

۵) جس وقت لوگ نماز و تسبیح میں مشغول ہوں اس وقت مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا یا دینی کام کے لئے چندہ کرنا ممنوع ہے۔

آیت ۱۱۵

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

ش ر ق

شَرْقًا (ن۔س): روشنی کا پھوٹنا' کسی چیز کا سرخ ہونا۔

مَشْرِقٌ (ج مَشَارِقُ) : مَفْعِلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے' یعنی روشن یا سرخ ہونے کی جگہ یا سمت۔ اصطلاحاً سورج نکلنے کی سمت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ (البقرۃ:۱۷۷) ''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم لوگ پھیر دو اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف''۔ ﴿وَرَبُّ الْمَشَارِقِ﴾ (الصّٰفّٰت:۵) ''اور تمام مشرقوں کا رب۔''

شَرْقِیٌّ :(اسم نسبت ہے): مشرق والا' مشرقی۔ ﴿لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ﴾(النور:٣٥) ''نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے''۔

اِشْرَاقًا (افعال): کسی چیز سے کسی چیز کا روشن یا سرخ ہونا۔ ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ (الروم:٦٩)''اور جگمگا اُٹھے گی زمین اپنے ربّ کے نور سے۔''

اَلْاِشْرَاقُ : یہ باب افعال کا مصدر ہے۔ اصطلاحاً اس کا مطلب ہے سورج سے زمین کا روشن ہونا یا روشن ہونے کا وقت جب سورج سوا نیزا بلند ہو جائے' یعنی طلوعِ آفتاب کے ٢٠ سے ٢٥ منٹ بعد۔ ﴿يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ﴾ (ص:١٨)'' وہ سب تسبیح کرتے ہیں عشاء اور اشراق میں۔''

مُشْرِقٌ (اسم الفاعل): روشن ہونے والا۔ اصطلاحاً اس کا مطلب ہے سورج نکلتے ہی صبح کا وقت۔ ﴿فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ﴾ (الشعراء:٦٠)''تو انہوں نے پیچھا کیا ان کا سورج نکلتے ہی''۔

غ ر ب

غَرْبًا (ن): دور چلے جانا' دوری کی وجہ سے چھپ جانا' غروب ہونا۔ ﴿وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ (الکہف:١٧)''اور جب وہ (یعنی سورج) غروب ہوتا ہے' کترا جاتا ہے ان سے بائیں جانب''۔

غَرَبًا (س): سیاہ رنگ والا ہونا (سیاہی اصل رنگ کو چھپا دیتی ہے)

غُرُوْبٌ :یہ باب نَصَرَ کے مصدر غَرْبٌ کی جمع ہے۔ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ﴾ (طٰہٰ:١٣٠)''اور آپ تسبیح کریں اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔''

مَغْرِبٌ (جمع مَغَارِبُ) :مَفْعِلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ غروب ہونے کی سمت یا وقت۔ مادہ ''ش ر ق''میں ''البقرۃ'' کی آیت ١٧٧ دیکھئے۔ نیز:﴿فَلَا اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ﴾ (المعارج:٤٠)''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے ربّ کی''۔

غَرْبِیٌّ :اسم نسبت ہے۔ مغرب والا' مغربی۔ مادہ ''ش ر ق'' میں ''النور'' کی آیت ٣٥ دیکھیں۔

غُرَابٌ :اسم جنس ہے۔ کوّا (کیونکہ وہ سیاہ ہوتا ہے) ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا﴾ (المائدۃ:٣١)''تو بھیجا اللہ نے ایک کوا''۔

غُرْبِيْبٌ (جمع غَرَابِيْبُ) : صفت ہے۔ انتہائی سیاہ' بھجنگ۔ ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾ (فاطر:۲۷) ''اور پہاڑوں میں سفید راستے ہیں' مختلف سرخی ہے ان کے رنگوں کی' اور کچھ بھجنگ سیاہ ہیں''۔

ث م م

ثَمَّ (ن) : کسی چیز کو درست کرنا۔

ثُمَّ : پھر' تب' اس کے بعد۔ حرف عطف ہے جو کلام کی ترتیب کو درست رکھنے کے لئے آتا ہے۔ ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا﴾ (المائدۃ:۹۳) ''پھر انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے' اس کے بعد پھر انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور بلا کم و کاست نیکی کی''۔

ثَمَّ : اشارہ بعید کے طور پر آتا ہے۔ وہیں' اسی جگہ۔ ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا﴾ (الدھر:۲۰) ''جب بھی تو دیکھے گا تو وہیں تو دیکھے گا نعمت والی آسودگی''۔

و س ع

سَعَةٌ وَسِعَةٌ (س' ح) : کشادہ ہونا (لازم)' کشادہ کرنا (متعدی)۔ ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ''اور میری رحمت کشادہ ہوئی ہر چیز پر''۔

سَعَةٌ : اسم ذات بھی ہے۔ کشادگی' وسعت۔ ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ (الطلاق:۷) ''چاہئے کہ خرچ کرے کشادگی والا اپنی کشادگی میں سے''۔

وُسْعٌ : اسم ذات ہے۔ وسعت' اہلیت۔ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ''اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی جان کو مگر اس کی اہلیت کو''۔

وَاسِعٌ : فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ کشادہ کرنے والا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (المائدۃ) ''یہ اللہ کا فضل ہے' وہ دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے' اور اللہ کشادہ کرنے والا جاننے والا ہے''۔

وَاسِعَةٌ : یہ وَاسِعٌ کا مؤنث ہے۔ زیادہ تر صفت کے طور پر آتا ہے۔ کشادہ ہونے والی یعنی کشادہ۔ ﴿وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ﴾ (الروم:۱۰) ''اور اللہ کی زمین کشادہ ہے''۔

اِيْسَاعًا (افعال) : رزق میں کشادہ ہونا' کسی جگہ کو کشادہ کرنا۔

مُوْسِعٌ (اسم الفاعل) : رزق میں کشادہ ہونے والا' جگہ کو کشادہ کرنے والا۔ ﴿عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ﴾ (البقرۃ:۲۳۶) ''رزق میں کشادہ ہونے والے پر ہے اس کے مقدور بھر اور تنگدست پر ہے اس کے مقدور بھر''۔ ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا

لَمُوْسِعُوْنَ﴾ (الذّٰریٰت) ''اور آسمان' ہم نے بنایا اس کو (اپنے) ہاتھوں سے اور بیشک ہم کشادہ کرنے والے ہیں''۔

ترکیب : اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ مبتدأ مؤخر ہیں' خبر محذوف ہے اور قائم مقام خبر کو تاکید کے لئے مقدم کیا گیا ہے۔ اَیْنَمَا' تُوَلُّوْا کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ کلمہ شرط ہے۔ تُوَلُّوْا شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جواب شرط ہے۔ مضارع مجزوم تُوَلُّوْا کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور اس کا مفعول وُجُوْهَكُمْ محذوف ہے۔

ترجمہ

وَلِلّٰهِ : اور اللہ کے لئے ہی ہے	اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ : مشرق اور مغرب
فَاَیْنَمَا : پس جہاں کہیں بھی	تُوَلُّوْا : تم لوگ پھیرو گے (اپنے چہروں کو)
فَثَمَّ : تو وہیں	وَجْهُ اللّٰهِ : اللہ کی توجہ ہے
اِنَّ اللّٰهَ : بیشک اللہ	وَاسِعٌ عَلِیْمٌ : وسعت والا جاننے والا ہے

نوٹ (۱) یہ آیت تحویلِ قبلہ کے حکم سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے اسے تحویلِ قبلہ کے حکم کی پیش بندی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس پہلو سے آیت میں مشرق اور مغرب کے الفاظ کی اہمیت کو سمجھ لیں۔

مدینہ میں ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی گئی۔ اُس وقت مدینہ کے نمازیوں کا رُخ شمال کی طرف ہوتا تھا' کیونکہ بیت المقدس مدینہ کے شمال میں ہے۔ تحویلِ قبلہ کے بعد اب مدینہ کے نمازیوں کا رُخ جنوب کی طرف ہوتا ہے' کیونکہ خانۂ کعبہ مدینہ کے جنوب میں ہے۔ اب نوٹ کریں کہ اس آیت میں شمال اور جنوب کے بجائے مشرق اور مغرب کی بات کی گئی ہے۔ اس طرح گویا چاروں سمتوں کا احاطہ کر کے فرمایا: ''فَاَیْنَمَا'' جہاں کہیں بھی' یعنی جس طرف بھی رُخ کرو اللہ کی توجہ ہر طرف ہے۔

نوٹ (۲) اس میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی سمت میں مقید نہیں ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد عمل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص کو آزادی دے دی جائے کہ جس طرف اس کا جی چاہے رُخ کر کے نماز پڑھ لے۔ دوسری یہ کہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کوئی ایک سمت مقرر کی جائے۔ اسلام میں جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ اس لحاظ سے بڑا عجیب ہے کہ نہ تو افراد کو آزادی ہے کہ جدھر جی چاہے رُخ کر

کے نماز پڑھیں اور نہ ہی کسی ایک سمت کا تعین ہے۔ البتہ ایک رُخ کا تعین کیا گیا ہے۔

ایک قبلہ مقرر کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُمت کا ہر فرد پابند ہے کہ وہ اسی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے۔ اس طرح اُمت میں تنظیم اور اتحاد کی عملی تربیت کا اہتمام ہو گیا۔ اب ساری دنیا کے مسلمان جب قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو نہ صرف شمال و جنوب اور مشرق و مغرب بلکہ ان کے درمیان کے تمام زاویۂ سمت کا خود بخود احاطہ ہو جاتا ہے۔

روزہ اور رمضان المبارک کی عظمت و فضیلت سے آگاہی

اور عظمتِ انسان سے واقفیت کے لئے

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کے دو کتابچے ـــــ خود پڑھئے اور احباب کو تحفتاً پیش کیجئے:

عظمتِ صوم

حدیث قدسی فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ کی روشنی میں

اشاعت خاص: 12 روپے اشاعت عام: 6 روپے

عظمتِ صیام و قیام رمضانِ مبارک

اشاعت خاص: 18 روپے اشاعت عام: 10 روپے

شائع کردہ: **مکتبہ خدام القرآن**

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

تِین (انجیر)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

عربی: تین	عبرانی: تینہ
رُوسی: انجھیر	اردو' ہندی' فارسی: انجیر
تلیگو: انجورو	کشمیری: انجر
انگریزی: Fig	نباتاتی نام: Ficus Carica

قرآن مجید میں انجیر کا ذکر صرف ایک مرتبہ' اسی نام کی سورۃ ''التین'' میں آیا ہے۔

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿١﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿٢﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿٣﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿٤﴾﴾

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی' اور طورِ سینا کی' اور اس پُرامن شہر (مکہ) کی! ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی پہلی آیت ''انجیر اور زیتون کی قسم'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہوا ہے۔ حسن بصری' عکرمہ' عطاء بن ابی رباح' جابر بن زید' مجاہد اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ انجیر سے مراد یہی انجیر ہے جسے لوگ کھاتے ہیں اور زیتون بھی یہی زیتون ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم اور حاکم نے ایک قول حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے بھی اس کی تائید میں نقل کیا ہے' اور جن مفسرین نے اس تفسیر کو قبول کیا ہے' انہوں نے انجیر اور زیتون کے خواص اور فوائد بیان کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی خوبیوں کی وجہ سے ان دونوں پھلوں کی قسم کھائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک عام عربی دان ''تین'' اور ''زیتون'' کے الفاظ سن کر وہی معنی لے گا جو عربی زبان میں معروف ہیں' لیکن دو وجوہ ایسے ہیں جو یہ معنی لینے میں

مانع ہیں۔ ایک یہ کہ آگے طورِ سینا اور شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے اور دو پھلوں کے ساتھ دو مقامات کی قسم کھانے میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔ دوسرے ان چار چیزوں کی قسم کھا کر آگے جو مضمون بیان کیا گیا ہے' اس پر طورِ سینا اور شہر مکہ تو دلالت کرتے ہیں' لیکن یہ دو پھل اس پر دلالت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی کسی چیز کی قسم کھائی ہے' اس کی عظمت یا اس کے منافع کی بنا پر نہیں کھائی' بلکہ ہر قسم اس مضمون پر دلالت کرتی ہے جو قسم کھانے کے بعد بیان کیا گیا ہے' اس لئے ان دونوں پھلوں کے خواص کو وجہِ قسم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بعض دوسرے مفسرین نے تین اور زیتون سے مراد بعض مقامات لئے ہیں۔ کعب احبار' قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ تین سے مراد دمشق ہے اور زیتون سے مراد بیت المقدس۔ ابن عباسؓ کا ایک قول ابن جریر' ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے یہ نقل کیا ہے کہ تین سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی وہ مسجد ہے جو انہوں نے جودی پہاڑ پر بنائی تھی اور زیتون سے مراد بیت المقدس (یروشلم) ہے' لیکن ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ کے الفاظ سن کر یہ معنی ایک عام عرب کے ذہن میں نہیں آ سکتے تھے اور نہ یہ بات قرآن کے مخاطب اہل عرب میں معروف تھی کہ تین اور زیتون ان مقامات کے نام ہیں۔

البتہ یہ طریقہ اہل عرب میں رائج تھا کہ جو پھل کسی علاقے میں کثرت سے پیدا ہوتا ہو' اس علاقے کو وہ بسا اوقات اُس پھل کے نام سے موسوم کر دیتے تھے۔ اس محاورے کے لحاظ سے تین اور زیتون کے الفاظ کا مطلب ان پھلوں کی پیداوار کا علاقہ ہو سکتا ہے اور وہ شام و فلسطین کا علاقہ ہے' کیونکہ اُس زمانے کے اہل عرب میں یہی علاقہ انجیر اور زیتون کی پیداوار کے لئے مشہور تھا۔ ابن تیمیہ' ابن القیم' زمخشری اور آلوسی رحمہم اللہ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ ابن جریر نے بھی اگرچہ پہلے قول کو ترجیح دی ہے' مگر اس کے ساتھ یہ بات تسلیم کی ہے کہ تین و زیتون سے مراد ان پھلوں کی پیداوار کا علاقہ بھی ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اس تفسیر کو قابل لحاظ سمجھا ہے''۔ (حوالہ تفہیم القرآن' جلد ششم' تفسیر سورۃ التین)

مولانا امین احسن اصلاحی آیت التین کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

''یہاں تین سے مشہور پھل انجیر مراد نہیں ہے' بلکہ جبل تین ہے جو انجیر کی پیداوار کے لئے مشہور ہے ..... تین سے مراد یا تو کوہِ جودی ہے یا اسی کے قریب کا کوئی دوسرا پہاڑ''۔

تورات میں ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد بنی آدم یہیں سے اِدھر اُدھر متفرق ہوئے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کوہ جودی کے پاس پیش آیا..... اس پہاڑ پر اللہ تعالیٰ کے قانونِ مکافات کے دو اہم واقعات پیش آئے ہیں اور ان کی تفصیل قدیم صحیفوں میں موجود ہے۔ ایک حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ اور دوسرا حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ۔ ان میں سے پہلے واقعے کا ذکر مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اپنی تفسیر سورۃ التین میں یوں کیا ہے:

''تین وہ پہلا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے جزا و سزا کا پہلا واقعہ پیش آیا۔ جب آدمؑ نے خدا کا عہد بھلا دیا اور اپنے حاسد کے فریب میں آ کر ممنوعہ درخت کا پھل کھا بیٹھے تو اُن کو اور اُن کی بیوی کو جزا کے قانون سے دوچار ہونا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو سرفرازی بخشی تھی' اس سے وہ محروم کر دیئے گئے' اور جنت کی خلعت اُن سے چھین لی گئی..... تورات میں مذکور ہے کہ حضرات آدم و حواؑ نے جنت کی خلعت سے محروم ہونے کے بعد جس درخت کے پتوں سے اپنے تن ڈھانکے' وہ انجیر کا درخت تھا۔''

جبل تین کے پاس جزا کا دوسرا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں پیش آیا۔ اس کی تفصیل مولانا فراہیؒ یوں پیش کرتے ہیں:

''حضرت نوحؑ کے زمانے میں اِسی پہاڑ کے پاس ظالموں کو تباہ کیا اور نیکوکاروں کو طوفان سے نجات دی اور برکت بخشی۔ سورۂ ہود' آیت ۴۴ میں ہے: (ترجمہ): ''اور حکم دیا گیا' اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان' تھم جا۔ پانی اتر گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہِ جودی پر ٹک گئی اور اعلان کر دیا گیا کہ ظالموں کے لئے ہلاکت ہو''..... اس سے معلوم ہوا کہ جبل تین اللہ تعالیٰ کے قانونِ مکافات کے ظہور کا ایک یادگار مقام ہے''۔

علامہ عبداللہ یوسف علی نے سورۃ التین کی ابتدائی چار آیات کی تفسیر میں چار تشبیہوں کو چار مذاہب سے مطابق کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اُن سے متفق ہیں۔ فرماتے ہیں کہ انجیر بدھ مت کا استعارہ ہے' کیونکہ گوتم بدھ نے نروان انجیر کے درخت کے نیچے حاصل کیا تھا۔ زیتون کا حوالہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے' کیونکہ انہوں نے لوگوں کو اپنا پیغام زیتون کے درخت کے نیچے دیا تھا۔ طورِ سینا کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور بلد الامین' شہر مکہ کا تعلق آنحضرت ﷺ اور ان کے لائے ہوئے دین اسلام سے ہے۔

مغربی دیومالا (اساطیر) کے مطابق انجیر کے درخت کا وہی تقدس ہے جو ہندوؤں کی

دیومالا میں بڑ اور پیپل کا ہے۔ تورات میں اس کا ذکر بار بار آیا ہے۔ متی کی انجیل' باب ۲۱ میں ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیر کے درخت میں صرف پتے دیکھ کر اور پھل نہ پا کر اسے بددعا دی تھی: ''اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا' اسے بھوک لگی اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس گیا اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پا کر اس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا۔ شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا اور کہا: یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم میں سوکھ گیا؟ یسوعؑ نے جواب میں ان سے کہا: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر ایمان رکھو اور شک نہ کرو تو نہ صرف وہی کرو گے جو انجیر کے درخت کے ساتھ ہوا' بلکہ اگر اس پہاڑ سے بھی کہو گے کہ تو اکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ' تو یوں ہی ہو جائے گا''۔ متی کی انجیل ہی میں باب ۲۴ (۳۲ تا ۳۵) میں انجیر کے درخت کی ایک تمثیل بیان ہوئی ہے۔ پرانے عہد نامے کی کتاب ''یرمیاہ'' باب ۲۴ (۱ تا ۱۰) میں اچھے اور برے انجیر کی مثال یوں آئی ہے: ''جب شاہ بابل بنوکدرضر شاہ یہوداہ یکونیاہ کو اور یہوداہ کے امراء کو کاریگروں اور لُہاروں سمیت یروشلم سے اسیر کر کے بابل کو لے گیا تو خداوند نے مجھ (یرمیاہ نبی) پر نمایاں کیا اور کیا دیکھتا ہوں کہ خداوند کی ہیکل کے سامنے انجیر کی دو ٹوکریاں دھری تھیں۔ ایک ٹوکری میں اچھے سے اچھے انجیر تھے' اُن کی مانند جو پہلے پکتے ہیں' اور دوسری ٹوکری میں نہایت خراب انجیر تھے' ایسے خراب کہ کھانے کے قابل نہ تھے''۔

انجیر تازہ ہو تو مفید' اور باسی ہو تو مضر صحت ہوتا ہے۔ انجیر ایک درخت کا میوہ ہے۔ ولایتی' ہندی' بستانی' جنگلی اور پہاڑی۔ اس کا نر و مادہ الگ الگ ہوتا ہے۔ یہ درخت دوسرے درختوں کے برعکس پھلتا ہے' مگر پھولتا نہیں۔ جس انجیر میں گودا زیادہ ہو اسے شاہ انجیر بولتے ہیں۔ اس کو توڑنے کے بعد ایک رات رکھ کر کھانا چاہئے۔ عمدہ انجیر وہ ہے جس کا دانہ بڑا اور زیادہ شیریں ہو۔ شیخ بوعلی سینا کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جس کا چھلکا رنگت میں سفید اور وہ پھٹ گیا ہو۔ پھر سرخ' پھر سیاہ اور بہت پکا ہوا افضل ہے۔ ملک اور زمین کے فرق سے اس کی موٹائی اور رنگ بھی بدل جاتا ہے۔ انجیر کا پیڑ بوئے جانے کے چوتھے برس پھلتا ہے۔ اس میں سال میں دو بار پھل آتے ہیں۔ پہلے اساڑھ اور ساون میں' دوسری بار پوہ اور ماگھ میں۔ یہ بیس برس تک پھل دیتا ہے اور اس کے بعد سوکھ جاتا ہے۔ ۱۰۰۰ گرام انجیر میں ۶۰۰ گرام شکر ہوتی ہے جو انگوری شکر کی طرح ہوتی ہے۔

(باقی صفحہ 59 پر)

حیاتِ مستعار کی قدر و قیمت

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ عُبَیْدِ بْنِ خَالِدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰخٰی بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَقُتِلَ اَحَدُھُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَہٗ بِجُمُعَۃٍ اَوْ نَحْوِھَا فَصَلَّوْا عَلَیْہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((مَا قُلْتُمْ؟)) قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰہَ اَنْ یَّغْفِرَلَہٗ وَیَرْحَمَہٗ وَیُلْحِقَہٗ بِصَاحِبِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : ((فَاَیْنَ صَلٰوتُہٗ بَعْدَ صَلٰوتِہٖ وَعَمَلُہٗ بَعْدَ عَمَلِہٖ [اَوْ قَالَ: صِیَامُہٗ بَعْدَ صِیَامِہٖ] لَمَا بَیْنَھُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ)) [رواہ ابو داؤد و النسائی]

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب جہاد میں شہید ہو گئے' پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا تو صحابہؓ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا: ''آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا؟'' انہوں نے عرض کیا: ہم نے اس کے لئے یہ دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے' اس پر رحمت فرمائے' اور اپنے اس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کر دے (تا کہ جنت میں اسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے) —— یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد اس نے پڑھیں' اور دوسرے وہ اعمال خیر کہاں گئے جو اس شہید کے اعمال کے بعد اس نے کئے؟'' یا آپ نے یوں فرمایا: ''اس کے وہ روزے کہاں گئے جو اس بھائی کے روزوں کے بعد اس نے رکھے؟'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے''۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ دو افراد میں رسول اللہ ﷺ نے اخوت قائم کی۔ اُن میں سے ایک شہید ہو گیا۔ اُس کے ہفتہ عشرہ بعد دوسرا بھی فوت ہو گیا۔ جب اس دوسرے بھائی کا جنازہ پڑھا گیا تو حضور ﷺ کے استفسار پر جنازہ پڑھنے والوں نے بتایا کہ ہم نے اس کی مغفرت کے لئے دعا کی ہے۔ نیز یہ بھی کہ اس کو شہید ہونے والے بھائی کے برابر درجہ مل جائے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اس بعد میں مرنے والے کا درجہ تو آخرت میں شہید کے درجہ سے بہت بلند ہے۔ صحابہؓ کے لئے یہ بات حیرت کا باعث ہوئی' کیونکہ شہید کا مقام تو بہت بلند ہوتا ہے' کسی غیر شہید کا درجہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس تشویش کو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر دور کر دیا کہ اس بعد میں مرنے والے نے اپنے بھائی کی شہادت کے بعد نمازیں پڑھیں' روزے رکھے اور دوسرے نیک کام کئے' جن کا اس کو اجر ملا۔ یہ اجر شہید ہونے والے کو نہیں ملا' کیونکہ وہ فوت ہو چکا تھا اور ان دنوں کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں شامل نہ تھیں۔ جہاں تک شہادت کی فضیلت کا تعلق ہے وہ تو اس بعد میں فوت ہونے والے کو بھی حاصل تھی کیونکہ وہ شہادت کی تمنا لئے ہوئے تھا مگر اس کو قتال کا موقع نہ ملا۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ نیکی کے ارادہ پر نیکی کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ چنانچہ یہ شخص بھی شہید شمار ہوا اور چند دنوں کی اضافی نیکیوں نے اس کا رتبہ پہلے شخص سے بلند کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے شب و روز کس قدر قیمتی ہیں۔ ان کا صحیح استعمال کر کے عاقبت سنواری جا سکتی ہے' جبکہ ان کو ضائع کر کے آخرت کی ابدی زندگی برباد کر کے عذاب کا نشانہ بنا جا سکتا ہے۔ عقل مند وہی شخص ہے جو یہ چند روزہ زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق گزارے اور نیکی کے کاموں کو اختیار کرے۔ اس کے برعکس وہ شخص انتہائی بد بخت ہے جو اس امتحان کے وقفے کو لہو و لعب اور معصیت کے کاموں میں برباد کر دے اور انجام کار اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ٹھہرے۔ سورۃ المنافقون میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے گی تو وہ کہے گا کہ ''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلتِ عمر اور کیوں نہ دی۔ پھر میں صدقہ خیرات کرتا اور نیکوکاروں میں ہو جاتا۔ مگر جب کسی شخص کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اس کو ہرگز مہلت نہیں دی جاتی''۔ پس اس زندگی کے اوقات کو غنیمت جاننا چاہئے اور اسے کسی صورت بھی فضولیات میں نہیں گنوانا چاہئے ورنہ حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا' کیونکہ مزید مہلت کسی صورت نہ ملے گی۔

شیخ فریدالدین عطارؒ ''منطق الطیر'' میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا اور سلام کیا مگر اس بزرگ نے جواب میں وعلیکم السلام نہ کہا۔ اس شخص نے پوچھا آپ نے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا حالانکہ سلام کا جواب دینا ضروری ہے۔ اس بزرگ نے کہا کہ میں جانتا ہوں' مگر ہم عالمِ برزخ میں ہیں اور یہاں ہم پر نیکیوں اور عبادات کا دروازہ مکمل طور پر بند ہے۔ جب ہم تمہاری طرح دنیا میں تھے تو خدا کی عبادت کرتے تھے مگر اپنی زندگی کی کماحقہ قدر و قیمت سے بے خبر تھے' اب یہاں آ کر معلوم ہوا ہے کہ زندگی بہت قیمتی شے ہے۔ ہمارا ہر سانس قابلِ قدر تھا مگر افسوس ہم نے اس کی قدر نہیں پہچانی۔ جو کام کرنے کے لائق تھے وہ نہ کر سکے' لیکن اب رونے دھونے کا کوئی فائدہ نہیں' جو ہونا تھا ہو گیا' اب تو قبر کے قید خانے میں بند ہیں۔ پرندے کو اپنے بال و پر کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب اس کے بال و پر نوچ لئے جاتے ہیں۔ اے دیوانے! عمر کی قدر و قیمت پوچھنی ہے تو جا ان قبرستان والوں سے پوچھ' وہ تمہیں بتائیں گے کہ یہ مہلتِ عمر کتنی قیمتی چیز ہے!

رسول اللہ ﷺ نے حیاتِ دنیوی کے اوقات کی قدر و قیمت کا بارہا احساس دلایا۔ ایک دفعہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آدمیوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے اعمال اچھے رہے''۔ پھر جب یہ پوچھا گیا کہ آدمیوں میں سب سے برا کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال برے ہوئے۔'' (مسند احمد) یوں زندگی کے شب و روز اور ماہ و سال لہو و لعب' فضولیات' بے کار مشاغل اور گناہ کے کاموں میں گزارنا انتہائی بے وقوفی اور حماقت ہے۔ اس طرزِ عمل سے حسرت و یاس کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے زندگی کی قدر و قیمت ایک برف فروش سے سیکھی جو یہ آواز لگا رہا تھا کہ دیکھو میرا رأس المال ضائع ہو رہا ہے۔ یہی حال ہر زندہ انسان کا ہے کہ اس کی مہلتِ عمر بتدریج ختم ہو رہی ہے۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو خوابِ غفلت میں غرق اپنے قیمتی اوقات ٹیلیویژن کے فضول اور فحش پروگرام' فلمیں اور کئی کئی دنوں تک چلنے والے میچ دیکھنے' ناول افسانے اور بیکار لٹریچر پڑھنے اور بے ہودہ محفلوں میں شریک ہو کر ضائع کر رہے ہیں اور زندگی کے ان ماہ و ایام کی بے قدری کر کے خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور پر گزرا کہ موت کے وقت انسان کہے گا: ''اللہ پاک تو مجھے تھوڑی اور مہلت دیتا تو میں نیک کام کر لیتا''۔ مذاق العارفین میں لکھا ہے کہ اے انسان! تو اُس وقت جو مہلت

مانگے گا تو آج کے دن کو وہ مہلت کیوں نہیں سمجھتا کہ آج کے اس دن سے بھرپور فائدہ اٹھا کر نیکیوں اور عبادات میں مصروف رہے اور کل کی حسرت سے بچ سکے۔ خبردار! اس دن کو ضائع نہ کرنا کہ زندگی کا ہر لمحہ انمول جوہر ہے۔

عبداللہ بن شداد روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ بنی عذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کون میری طرف سے ان نومسلم مسافروں کی خبر گیری کرے گا۔ حضرت طلحہ ؓ نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور تینوں حضرات ان کے پاس رہنے لگے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ ان تین صاحبان میں سے ایک اس لشکر میں شامل ہو گیا اور شہید ہو گیا۔ پھر آپؐ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا تو ایک دوسرا ساتھی اس میں چلا گیا اور وہ بھی شہید ہو گیا۔ پھر ان تینوں میں سے جو باقی بچا تھا وہ بستر پر ہی فوت ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت طلحہ ؓ نے ان تینوں ساتھیوں (ؓ) کو جنت میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت مرے تھے وہ سب سے آگے ہیں اور ان کے قریب ان کا وہ ساتھی ہے جو دوسرے نمبر پر شہید ہوا تھا اور پھر ان کا وہ ساتھی تھا جو پہلے شہید ہوا تھا۔ اس خواب سے حضرت طلحہؓ کے دل میں تردد پیدا ہوا' کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ شہید ہونے والوں کا درجہ اس تیسرے سے بلند ہو گا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا تھا۔ پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا خواب بیان کیا اور اپنا خلجان بھی بتایا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ اس میں تمہیں کیا بات نامناسب معلوم ہوئی ہے؟ ان کے درجات کی جو ترتیب تم نے دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے تھی' کیونکہ اللہ کے نزدیک اس مؤمن سے کوئی افضل نہیں جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ لمبی عمر ملے جس میں وہ اللہ کی تسبیح' تکبیر اور تہلیل کرے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جس شخص نے لمبی عمر پائی اور اس میں ذکر اذکار عبادات اور حسنات میں مشغول رہا اپنے سے کم عمروں کی نسبت اونچے درجے پر فائز ہو گا۔

مؤمن تو زندگی کے ہر لمحے کو ذکر اللہ کے ساتھ قیمتی بنا سکتا ہے۔ فارغ اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر واذکار میں مشغول رہ سکتا ہے۔ اگر کسی کو قرآن مجید کا زیادہ حصہ یاد نہ بھی ہو تو سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ اور سورۃ الاخلاص تو ہر مسلمان کو ازبر ہیں اور یہ ذکر کی آسان مگر بہت وزنی صورتیں ہیں۔ لیکن قرآن مجید کا سمجھ کر پڑھنا تو اتنا اونچا عمل ہے کہ اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ ایک دفعہ رسول

اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا: ''تم میں سے کون کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز صبح سویرے بطحان یا عقیق میں جایا کرے اور دو موٹی تازی فربہ کوہان کی اونٹنیاں مفت میں پکڑ لایا کرے' نہ اس پر کوئی گناہ آئے اور نہ ہی قطع رحم؟''۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یہ تو ہم سب کو پسند ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص صبح مسجد میں کتاب اللہ کی دو آیتیں سیکھ کر آیا کرے وہ ایسی اونٹنیاں مفت پکڑ لانے سے کہیں افضل ہے اور اگر تین ہوں تو تین۔ جتنی آیتیں ہوں وہ اتنی ہی اونٹنیوں سے زیادہ نفع آور ہیں۔''

وقت گزارنے کے لئے مسلمان کے پاس بہت سی آسان مگر انتہائی مفید اور نتیجہ خیز مصروفیات اور مشاغل ہیں۔ ان کو چھوڑ کر زندگی کے انمول اوقات کو فضولیات میں گنوانا اسے ہرگز زیب نہیں دیتا۔ یہ بات سمجھنے کے لئے سہل ہو جاتی ہے اگر ہم فوت شدگان کی بے بسی اور حسرت کا احساس کر سکیں جو ہمیں قرآن وحدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

بقیہ: سلسلۂ نباتات قرآن

انجیر کثیر الغذا ہے۔ لطافت بخشتا ہے' ۶۰ فیصد شکر کے علاوہ دوسرے کارآمد اجزاء بھی پائے جاتے ہیں' اس لئے بدن کو کافی غذائیت دیتا اور خون کو بڑھاتا ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے بدن موٹا ہوتا ہے اور رنگت نکھر آتی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد چند دانے انجیر کھانے سے غذائیت حاصل ہونے کے علاوہ یہ فائدہ بھی پہنچتا ہے کہ قبض نہیں رہتا۔ کھانسی اور دمے میں بھی اس کے استعمال سے فائدہ ہوتا ہے اور بلغم خارج کرنے میں مدد دیتا ہے۔ تلی کے ورم کو گھلاتا ہے۔ اس غرض کے لئے انجیر کو سرکہ میں ڈال کر رکھ چھوڑتے ہیں اور ایک ہفتے کے بعد دو تین انجیر کھانا کھانے کے بعد کھاتے ہیں۔ چیچک اور موتی جھرہ میں انجیر' مقلی اور خوب کلاں کا جوشاندہ پلانے سے دانے بہت جلد نکل آتے ہیں۔ انجیر بدن کے رنگ کو' جو امراض کے باعث خراب ہو گیا ہو' نکھارتا ہے' کیونکہ یہ لطیف خون پیدا کرتا ہے اور اس کو خارج کی طرف حرکت دیتا ہے۔ حرارت' رطوبت اور لطافت کی وجہ سے اس کا لیپ پھوڑوں کو پکاتا ہے۔ تازہ انجیر لطافت پیدا کرتا' ریاح کو تحلیل کرتا ہے' دست آور' جگر کو قوت دیتا' تلی کے ورم کو دور کرتا' سینے کے درد کو نافع' بدن کو فربہ کرتا' بلغمی کھانسی اور بخار کو دور کرتا' مرگی' فالج' خفقان' دمہ اور اکثر بلغمی امراض کو نفع پہنچاتا ہے۔ تازہ انجیر کے استعمال سے جتنا خون پیدا ہوتا ہے' اتنا کسی دوسرے پھل سے پیدا نہیں ہوتا۔ oo

پاک وہند کے فقہی مکاتب فکر اور دیگر فرقے

مرتبہ: محمد عبدالرشید ندوی

ساری دنیا میں مسلمانوں کے اندر چار فقہی مکتب فکر یا مسلک رائج ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ ان کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ تمام مسالک قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں اور حق پر ہیں، جو شخص ان میں سے کسی پر بھی عمل کرلے گا وہ ان شاء اللہ آخرت میں کامیاب و کامران ہوگا۔ چنانچہ براعظم ایشیا کے اکثر حصے میں حنفی مسلک، براعظم افریقہ کے اکثر حصے میں مالکی مسلک، انڈونیشیا اور ایشیا کے جنوبی جزیروں میں شافعی مسلک اور پورے جزیرۃ العرب میں حنبلی مسلک پر عمل ہورہا ہے۔ ان کے علاوہ مسلک اہل حدیث پر عمل کرنے والے لوگ بھی ہر ملک میں کچھ نہ کچھ موجود ہیں۔ ان مسالک کے حامی علماء نہ تو ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں، بلکہ دوسرے مسلک والے کو بھی حق پر سمجھتے ہیں، البتہ اپنے مسلک کو دوسرے سے بہتر سمجھتے ہیں۔

پاک وہند کی تمام دینی جماعتیں اور تحریکیں مثلاً دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، بریلوی جماعت وغیرہ یہ سب فقہی طور پر حنفی مسلک سے وابستہ ہیں، اگرچہ ان کے درمیان آپس میں کچھ فروعی اختلافات ہیں جن کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ بریلوی حضرات اپنے بعض عقائد کی بنا پر، حنفی ہونے کے باوجود دوسرے تمام حنفیوں سے جدا ہوجاتے ہیں، لہٰذا ان کا تذکرہ مستقلاً آگے آئے گا۔

پاک وہند میں حنفی مسلک کی آمد اور ترقی

شمالی ہندوستان میں حنفی مسلک پہلی صدی ہجری میں اسلامی فتوحات کے ساتھ آیا، البتہ جنوبی ہندوستان خصوصاً مدراس، مالابار اور کوکن میں شافعی مسلک مختلف عرب تاجروں کے ذریعہ آیا۔ علماءِ احناف نے علمِ فقہ اور اصولِ فقہ پر بڑی محنت کی، اس لئے حنفی مسلک جنوبی

ہندوستان کے علاوہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ البتہ سندھ میں ابتدائی چار صدیوں تک علم حدیث پھیلتا رہا اور ترقی کرتا رہا اور ثقافتی و تمدنی اعتبار سے سندھ اسلام کا قلعہ بن گیا۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد یہاں بھی علم حدیث مفقود ہو گیا۔ یہ وہ دَور تھا جب سندھ سے عربوں کی حکمرانی ختم ہو گئی اور غزنویوں اور غوریوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ یہ حال دسویں صدی ہجری تک رہا۔

علماءِ احناف فقہ واصولِ فقہ تک محدود ہو کر رہ گئے۔ وہ بھی تقلیداً نہ کہ تحقیقاً۔ حنفی مسلک کے لئے تعصب اور تنگ نظری بڑھ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی پر سب سے زیادہ شروح وحواشی لکھے گئے۔ قرآن مجید کی نصوص ومحکمات کو چھوڑ کر فتاویٰ اور روایات پر انحصار کر لیا گیا۔ مسائل واجتہادات کو احادیث سے تطبیق دینا چھوڑ دیا گیا۔[1] یہی حال سارے ہندوستان کا رہا۔ یہاں تک کہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہویں صدی ہجری میں حدیث اور علم حدیث کو تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعے ہندوستان میں دوبارہ متعارف کرایا۔ پھر شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) اور ان کے تینوں صاحبزادوں شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین (رحمۃ اللہ علیہم) کا دَور آیا۔ ان حضرات کی وجہ سے ہندوستان میں دوبارہ حدیث اور علم حدیث کا احیاء ہوا۔ چنانچہ مذہبی تعصب آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا اور لوگ ذہنی طور پر مذہبی تقلید اور جمود سے آزاد ہونے لگے۔[2]

آج پاک و ہند میں جو بڑے بڑے دار العلوم مثلاً دار العلوم دیوبند، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر علوم سہارن پور، دار العلوم کورنگی کراچی، جامعہ اسلامیہ کراچی، دار العلوم اکوڑہ خٹک وغیرہ قائم ہیں، ان سب کی فکر کا منبع فکرِ شاہ ولی اللہ ہی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی آراء وافکار سے اکثر علماء براہِ راست یا بالواسطہ متاثر ہوئے۔ اجتہاد وتقلید کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہؒ کے جو نظریات وافکار ہیں ان کو مختلف علماء نے مختلف انداز میں سمجھا اور اُن کو اختیار کیا۔ پھر آگے چل کر بعض علماء نے اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق اور مغربی علوم وافکار سے متاثر ہو کر کچھ نئے نظریات پیش کئے، پھر ان ہی نظریات کی بناء پر کچھ نئے فرقوں کی بنیاد پڑی جن میں سے بعض تو گمراہ ہیں اور بعض خارج از اسلام ہیں۔ ان فرقوں کی وجہ سے ہندوستان کا مسلمان معاشرہ اور صحیح اسلامی فکر بھی متاثر ہوئی۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اجتہاد وتقلید کے موضوع پر ایک رسالہ 'عِقد الجید فی

احکام الاجتہاد والتقلید '' کے نام سے تحریر کیا ہے جس میں آپ نے علماء کے لئے تقلید کو حرام اور عوام الناس کے لئے تقلید کو لازمی قرار دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ اصولی طور پر خود حنفی المسلک تھے' لیکن ہر مسئلہ میں تحقیق و جستجو کے بعد ہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اختیار کرتے تھے۔ اگر تحقیق کسی اور امام کے مسلک کو درست ثابت کرتی تھی تو امام ابوحنیفہؒ کا مسلک چھوڑ کر دوسرے امام کا مسلک اختیار کر لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا عمل مختلف مسالک پر ملتا ہے۔ آپ نے اندھی تقلید اور وراثتی تعصب پر محض تنقید ہی نہیں کی بلکہ اپنے بعد آنے والوں کے لئے تحقیق و جستجو کی راہ بھی متعین کی اور شرعی مسائل کو کتاب و سنت کے دلائل و براہین سے آراستہ کرنے کی طرح ڈالی۔ (۳)

جو علماء شاہ صاحب کے نظریات و افکار سے متاثر ہوئے وہ اوّلاً دو بڑے طبقوں میں تقسیم ہو گئے۔ پہلا طبقہ وہ ہے جس نے ائمہ اربعہ یعنی چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو ضروری قرار دیا۔ اس طبقہ میں علماءِ احناف پیش پیش ہیں۔ دوسرے طبقہ نے کسی بھی امام کی تقلید کو ناجائز قرار دے دیا۔ یہ طبقہ اہل حدیث یا سلفی کہلایا۔ پاک و ہند میں چونکہ حنفی مسلک رائج و مقبول ہے اور اس پر سب سے زیادہ کام بھی ہوا ہے اس لئے تقلید کے مسلک کی حمایت کے لئے علماءِ احناف ہی آگے آئے' جن کے سرخیل مولانا عبدالعلی بن نظام الدین (۱۱۱۴ھ تا ۱۲۳۵ھ) اور مولانا عبدالحی بن عبدالعلیم لکھنوی (۱۲۶۴ھ تا ۱۳۰۴ھ) ہیں۔ ان دونوں حضرات کے بعد یہ ذمہ داری علماء دارالعلوم دیوبند نے سنبھالی جو ۱۸۶۷ء مطابق ۱۲۸۳ھ میں عالم وجود میں آیا۔ پاک و ہند میں آج بھی یہ خدمت دارالعلوم دیوبند اور اس سے متعلق ادارے انجام دے رہے ہیں۔

علماءِ اہل حدیث کے سرخیل شیخ فاخر بن یحییٰ عباسی' شیخ نذیر حسین محدث دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ) اور نواب صدیق حسن خان قنوجی (۱۲۳۸ھ تا ۱۳۱۰ھ) ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک کسی امام کی تقلید کسی حال میں جائز نہیں' بلکہ براہِ راست قرآن و حدیث سے مسائل اخذ کر کے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ موجودہ دَور میں یہ ذمہ داری ہندوستان میں ''جامعہ سلفیہ بنارس'' و دیگر ادارے اور پاکستان میں ''ادارہ ترجمان السنۃ لاہور'' اور دوسرے ادارے سرانجام دے رہے ہیں۔ (۴)

البتہ یہ ایک الگ سوالیہ نشان ہے کہ جب اہل حدیث ایک مستقل مکتبِ فکر یا مسلک بن گیا تو اس کو اختیار کرنے والے عوام الناس بھلا کس طرح قرآن و حدیث سے مسائل اخذ

کر سکتے ہیں! اس کے لئے وہ بھی اپنے علماء ''اہل حدیث'' پر اعتماد کرتے ہیں اور پھر اُن کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرتے ہیں۔ کیا یہ تقلید نہیں ہے؟ کیا صرف چاروں اماموں کے قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرنا ہی تقلید ہے؟ یا پھر مسلک ''اہل حدیث'' سے وابستہ سارے لوگ ہی عالم ہیں؟ جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے' بلکہ مسلک اہل حدیث پر عمل کرنے والوں کی اکثریت بھی دوسرے مسالک پر عمل کرنے والوں کی طرح جاہل ہی ہے' عالم نہیں ہے۔

بریلوی جماعت

بریلوی جماعت اپنے بانی ومؤسس مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب (۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء) کی جائے پیدائش شہر ''بریلی'' کی طرف منسوب ہے۔ یہ جماعت امام ابوحنیفہ کے مسلک پر شدت سے تقلید کرنے کی حامی ہے۔ یہ لوگ اپنے ہم مسلک وہم خیال لوگوں کو ''اہل سنت والجماعت'' کہتے ہیں اور علماء دیوبند' علماء ندوۃ العلماء اور اہل حدیث علماء کو وہابی اور غیر مقلد کہتے ہیں۔ (۵)

مولانا عبدالحی حسنی اپنی کتاب ''نزھة الخواطر'' جلد ہشتم میں احمد رضا خان صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''احمد رضا خان فقہی اور کلامی مسائل میں بہت شدت پسند تھے۔ کفر کا فتویٰ لگانے اور مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنے میں جلد باز تھے۔ ان کے اپنے عقیدے اور تحقیق کے مطابق کسی شخص پر کفر کا فتویٰ لگانے کے بعد کوئی لچک یا نرمی نہیں ہوتی تھی اور نہ ایسے شخص کے بارے میں کسی تاویل کی گنجائش ہوتی۔ جو اُن کی موافقت نہ کرتا وہ بھی کفر کے فتویٰ سے نوازا جاتا..... ہمیشہ اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑے رہتے۔ مختلف رسائل وکتب علماء ندوۃ العلماء اور علماء دیوبند کے کفر کے سلسلہ میں تصنیف کیں اور پھر تکفیر میں اس انتہا کو پہنچ گئے کہ یہ تک لکھ دیا کہ جو کوئی ان لوگوں کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''۔ (۶)

بریلوی علماء کے نزدیک انبیاء واولیاء خصوصاً حضور ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں (آپؐ موجود ہیں اور دیکھتے بھی ہیں) آپؐ غیب کا علم بھی جانتے ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک انبیاء واولیاء سے مدد طلب کرنا' عرس کرنا' قبر پر قوالی کرانا' فاتحہ خوانی کرنا' تیجہ (سوئم' قل)' چالیسواں' برسی وغیرہ منانا جائز ہے۔

اسلامی انسائیکلوپیڈیا (صفحہ ۱۳۱) میں ''بریلوی تحریک'' کے عقائد ونظریات کے بارے میں لکھا ہے:

''آنحضور ﷺ انسانوں میں سے تھے مگر مظہرِ نورِ خدا تھے' اس لئے آپؐ کو بشر کہنا یا بھائی یا برابری کے لقب سے پکارنا حرام ہے۔ آنحضور ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں' روزِ قیامت آپؐ شفاعت کریں گے۔ نیز اس دنیا میں بھی آپؐ مسلمانوں کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ آپؐ سے مدد مانگنا اور یارسول اللہ کا نعرہ بلند کرنا جائز ہے..... ان اولیاء کرام کی کرامات موت کے بعد بھی بدستور رہتی ہیں۔ وہ بھی حاضر وناظر ہوتے ہیں اور ان سے بھی مدد مانگی جاتی ہے..... صوفیاء اور اولیاء اُمت کے ستون ہوتے ہیں' چالیس ابدال ہر وقت دنیا میں موجود ہوتے ہیں جو آفتوں اور مصیبتوں کو ٹالتے رہتے ہیں۔ ان کے ذریعہ خلق کی حیات' روزی اور تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں.....''

بریلویوں کے نزدیک جائز امور میں اولیاء کرام کے مزاروں پر حاضری دینا' نیاز دینا' ان سے مدد مانگنا' فاتحہ' تیجہ' چالیسواں وغیرہ کرنا' میت کے ساتھ بزرگانِ دین کے تبرکات' غلافِ کعبہ' شجرہ یا عہد نامہ رکھنا' تدفین کے بعد اذان دینا' پختہ قبر بنانا' قبروں پر پھول چڑھانا اور چراغ جلانا اور اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا' عبدالنبی یا عبدالرسول وغیرہ نام رکھنا اور گیارہویں شریف وغیرہ کا ختم دلانا شامل ہے۔

عام مسلمانوں میں یہ عقائد پہلے سے موجود تھے' البتہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے ان عقائد کو قرآن وحدیث سے' غلط طور پر' ثابت کیا۔ اس اعتبار سے یقیناً وہ بیسویں صدی کے ''مجدد'' تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں اور قرآن کریم کا ترجمہ بھی کیا۔ اس ترجمہ پر مولانا امجد علی خان صاحب نے ''کنز العرفان'' کے نام سے حاشیہ بھی لکھا ہے۔ قرآن کریم کا یہ ترجمہ اور حاشیہ خلیجی ممالک اور سعودی عرب میں لانا ممنوع ہے۔

شیعہ فرقہ

شیعہ فرقہ ابتدائے اسلام سے موجود ہے۔ البتہ اس فرقہ کا تشخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں قائم ہوا۔ اس فرقہ کا بانی عبداللہ بن سبا ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا لیکن اندر سے منافق رہا۔ اسی نے کمزور ایمان والے مسلمانوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا اور بالآخر آپؓ کو شہید کرا کے دم لیا۔ (۷)

یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ ''بے شک علی ہی خدا ہے''۔ حضرت علیؓ کے بارے میں اس نے ان گمراہ کن نظریات کا پرچار کیا کہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید نہیں کیا بلکہ شیطان کو قتل کیا ہے جس نے ان کی شکل اختیار کر لی تھی۔ حضرت علیؓ بادلوں میں پوشیدہ ہیں' بجلی کی کڑک آپؓ ہی کی آواز ہے اور بجلی کی چمک آپ ہی کا کوڑا ہے۔ ایک وقت آئے گا جب آپ زمین پر تشریف لائیں گے اور اس کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔ (۸)

پہلے ان لوگوں کو شیعانِ علیؓ (علیؓ کا گروہ) کہا جاتا تھا' بعد میں یہی فرقہ ''شیعہ'' کہلایا۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کے اندر مزید فرقے پیدا ہوتے چلے گئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''تحفة الاثنا عشرية'' میں شیعوں کے تہتر فرقوں کے نام گنوائے ہیں۔ مثلاً اثنا عشری' مہدوی' نصیری' بوہرہ' زیدیہ' امامیہ' بابیہ' بہائیہ' آغا خانی' اسماعیلیہ وغیرہ۔

پاک و ہند اور ایران کے شیعہ حضرات میں سے اکثریت کا تعلق اثنا عشری فرقہ سے ہے۔ اس ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی تمام فرقوں کو گمراہ کہا جاتا ہے۔ اثنا عشری فرقہ کو اب تک حق پر سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات اپنے عقائد کی کتابیں سنیوں سے چھپا کر رکھتے تھے' کیونکہ ان کے نزدیک علم کا چھپانا پھیلانے سے زیادہ افضل ہے' لیکن علامہ خمینی کے جذبہ ''تبلیغ شیعیت'' نے آخر اُن عقائد پر سے پردہ اٹھا ہی دیا۔ وہ چونکہ ''شیعیت'' کو ایک عالمگیر مذہب بنانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے اس سلسلہ میں کئی کتابیں لکھیں اور ایرانی سفارت خانوں کے ذریعے ان کی خوب تشہیر کرائی۔ اس طرح شیعوں کے جن عقائد کے بارے میں پہلے صرف سنا جاتا تھا ان کی توثیق ہوگئی۔ ان کے بنیادی عقائد یہ ہیں:

۱) قرآن کریم جیسا نازل ہوا تھا ویسا باقی نہیں رہا۔ اس میں کمی زیادتی کر دی گئی۔ (۹)

۲) اس قرآن کے علاوہ ایک اور قرآن ہے جس کا نام ''مصحفِ فاطمہ'' ہے' اس میں قرآن سے تین گنا زائد آیتیں ہیں اور اس میں موجودہ قرآن کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ (۱۰)

۳) حضور ﷺ کی وفات کے بعد سوائے چار یا چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باقی سب صحابہ کرامؓ (نعوذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے۔ (۱۱)

۴) ان کے بارہ امام نبیوں و رسولوں کی طرح معصوم ہیں' ان کا منکر کافر ہے' ان کی اطاعت لازم ہے۔

۵) متعہ یعنی بغیر گواہوں کے وقتی نکاح' مثلاً گھنٹے دو گھنٹے' ہفتے دو ہفتے' مہینے دو مہینے' سال دو سال کے لئے کرنا جائز ہے۔

۶) علم دین کو چھپانا اس کو پھیلانے سے زیادہ افضل ہے۔

۷) تقیہ کرنا' یعنی اصل بات کو چھپانا جائز اور ضروری ہے۔ ''الاصول الکافی'' میں امام باقر سے روایت ہے کہ ''مجھے اپنے پیروکاروں میں سب سے زیادہ وہ محبوب ہے جو سب سے زیادہ متقی' سب سے زیادہ سمجھ دار اور سب سے زیادہ میری حدیث کو چھپانے والا ہے''۔ (۱۲)

ابوعمیر عجمی سے روایت ہے کہ ''مجھ سے ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا: اے عمیر! دس میں سے نو حصہ دین ''تقیہ'' میں ہے' جس نے تقیہ نہ کیا اس کا کوئی دین نہیں ہے''۔

ابوجعفر علیہ السلام نے کہا کہ ''تقیہ میرے اور میرے باپ دادا کے دین کا حصہ ہے' جس نے تقیہ نہ کیا وہ صاحب ایمان نہیں''۔ (۱۳)

فرقہ اہل قرآن

بریلوی فرقہ مقلدین حضرات میں پیدا ہوا لیکن ''فرقہ اہل قرآن'' اہل حدیث یعنی غیر مقلدین حضرات میں پیدا ہوا۔ اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب ''موج کوثر'' میں اور جناب فرمان علی نے اپنے مقالہ ''سرسید احمد خان'' میں کافی دلائل دیئے ہیں۔ یہ مقالہ ''ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند'' جلد ۹ میں شائع ہوا ہے۔

اس فرقہ کے بانی غلام نبی ہیں جو بعد میں عبداللہ چکڑالوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح پنجاب سے ابھرے اور لوگوں کو انکارِ حدیث کی دعوت دی اور مسائل شرعیہ (شریعت کے مسائل) میں صرف قرآن کو حجت ماننے کی تبلیغ کی۔ بعض تاجروں' جاہلوں اور عصری علوم کے حامل لوگوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا۔ جب کچھ حامی و ہمدرد مل گئے تو عبداللہ چکڑالوی نے اس جماعت کا نام ''اہل الذکر والقرآن'' رکھا۔ آگے چل کر یہی جماعت ''اہل قرآن'' کہلائی۔

یہ فرقہ شرعی امور میں احادیث کو حجت نہیں تسلیم کرتا' صرف قرآن کریم کو اپنا رہنما و حجت مانتا ہے۔ جو کام نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں ان کو آپؐ کی ذاتی رائے پر محمول کرتا ہے اور حاکمِ وقت کو پورا اختیار دیتا ہے کہ وہ جو چاہے حکم دے' خواہ یہ حکم احادیث کے صراحتاً خلاف ہو' البتہ قرآنِ حکیم سے اس کا تعارض نہ ہوتا ہو۔

اس فرقہ کے سلسلہ میں غلام مصطفیٰ صاحب یوں لکھتے ہیں:

''اس فرقہ کی شجر کاری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء) نے جان بوجھ کر یا غلطی سے کی اور بعد کے لوگوں نے اس کی آبیاری کی یہاں تک کہ یہ ایک تن آور مضبوط درخت بن گیا۔ آج پاکستانی مسلمانوں کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔''(۱۴)

استاد فرمان علی لکھتے ہیں:

''سرسید احمد خان نے سر ولیم میور کی کتاب "Life of Mohammad" کے رد میں جو کتاب ''خطباتِ احمدیہ'' لکھی ہے اس میں وہ بعض غلطیوں کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے تدوین حدیث کے سلسلہ میں بعض موضوع احادیث لکھ دی ہیں۔ ان کی اس طرح کی غلطیوں سے ''اہل قرآن'' فرقہ وجود میں آیا ہے۔ اس فرقہ کے حامیوں نے جو کچھ بھی حدیث اور اس کی قطعیت کے انکار میں لکھا ہے وہ سب کا سب سرسید کے خیالات و افکار سے ماخوذ ہے جو انہوں نے اپنی مختلف کتابوں میں ظاہر کئے ہیں۔''(۱۵)

ڈاکٹر مصطفیٰ خان اپنے مقالہ میں سرسید سے متعلق یوں لکھتے ہیں:

''سرسید احمد خان نے بعض صحیح احادیث کا عقلی معیار و پیمانہ پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے انکار کیا ہے۔ اس بات نے بعد میں آنے والے حضرات کے لئے تمام احادیث کا انکار کرنے کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ اسی نظریہ کو مولوی چراغ علی نے اپنی کتاب ''تحقیق الجہاد'' میں تقویت پہنچائی۔ پھر بدقسمتی سے آگے چل کر اس فرقہ کو دو بڑے ادیبوں کا قلمی تعاون حاصل ہو گیا۔ ان میں سے ایک تو مولوی اسلم جیراج پوری ہیں اور دوسرے چوہدری غلام احمد پرویز ہیں۔ ان دونوں نے فرقہ اہل قرآن کے خیالات و افکار کی خوب خوب ترویج و اشاعت کی''۔(۱۶)

نیاز فتح پوری مدیر ماہنامہ ''نگار'' لکھنؤ نے بھی بہت سے مضامین انکارِ حدیث پر لکھے' جن کا تعاقب سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے کیا۔ بالآخر نیاز فتح پوری کو توبہ نامہ شائع کرنا پڑا۔ لیکن ان کی یہ توبہ محض نمائشی تھی' کیونکہ اس کے باوجود وقتاً فوقتاً ان کے مضامین انکارِ حدیث پر رسالہ ''نگار'' میں آتے رہے۔

اس فرقہ کی اسلامیات پر بہت سی کتابیں ہیں جنہوں نے سادہ لوح کم پڑھے لکھے اور عصری علوم کے حامل افراد کو اپنا شکار بنایا۔ اس فرقہ کا مرکز لاہور میں ہے اور اپنی سرگرمیوں

میں پہلے سے زیادہ مشغول ہے۔غلام احمد پرویز (۱۹۳۰ء تا ۱۹۸۵ء) تاحیات اس کے ناظم رہے۔سب سے زیادہ اُن ہی کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں' جن میں قرآن کی تفسیر ''مفہوم القرآن'' بھی شامل ہے۔ایک رسالہ ''طلوعِ اسلام'' بھی ان کی ادارت میں نکلتا تھا' جو اَب بھی نکلتا ہے۔ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں: ابلیس و آدم' من و یزداں' معراجِ انسانیت' مطالب القرآن' تبویب القرآن' لغاتِ قرآن' وغیرہ۔

اہلِ قرآن حضرات کی کتابوں پر گرفت کرنا آسان نہیں ہے۔اس کے لئے احادیث کا علم بہت ضروری ہے۔موجودہ دَور میں یہ فرقہ ''پرویزی گروپ'' کے نام سے مشہور ہے۔

قادیانی فرقہ

قادیانی فرقہ پنجاب کے شہر قادیان کی طرف منسوب ہے جو اس فرقہ کے بانی و مؤسس مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۹ء تا ۱۹۰۸ء) کی جائے پیدائش و مدفن ہے۔ابتدا میں یہ آریہ سماجیوں اور عیسائی پادریوں سے مباحثہ و مناظرہ کیا کرتے تھے۔اس میں ان کو توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔اس سے ان میں مزید ہمت اور خود اعتمادی پیدا ہوگئی' یہاں تک کہ چودھویں صدی کا آغاز ہوتے ہی پہلے تو انہوں نے ''مجدد'' ہونے کا دعویٰ کیا' پھر کچھ عرصہ کے بعد ''مہدیٔ موعود'' پھر ''مسیح موعود'' اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا۔ان کا ایک شعر ہے۔

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو!
اس سے بہتر غلام احمد ہے!

پھر سب سے آخر میں نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ جو میری نبوت کا انکار کرتا ہے وہ مردود ہے اور اسلام سے خارج ہے' اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔اپنی نبوت کے اثبات کے لئے کئی کتابیں لکھیں' مثلاً: تریاق القلوب' حقیقۃ الوحی' توضیح المرام' دافع البلاء' کتاب الوصیۃ' چشمۂ معرفت' تجلیاتِ الٰہیہ' دین الحق' مواہب الرحمٰن' ازالۃ الاوہام' القصیدۃ الاعجازیہ' فتح الاسلام' آئینہ کمالات اسلام وغیرہ۔(۱۷)

اِدھر چند سالوں سے ان کے بعض معتقدین ان کے اردو عربی ملفوظات و اقوال ''تفسیر القرآن'' کے نام سے جمع کر رہے ہیں اور سورۂ آل عمران تک کی تفسیر تین جلدوں میں چھپ چکی ہے۔اس کے علاوہ ایک تفسیر اُن کے لڑکے مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ''تفسیر کبیر'' کا نام سے لکھی ہے۔مولوی شیر علی کا ایک ترجمۂ قرآن بھی ہے۔

۱۹۱۸ء میں یہ جماعت دو فرقوں میں بٹ گئی' قادیانی فرقہ اور لاہوری یا احمدی فرقہ۔ لاہوری فرقہ کی بنیاد خواجہ کمال الدین اور محمد علی لاہوری نے رکھی۔ لاہوری جماعت کے نزدیک مرزا غلام احمد قادیانی کی حیثیت محض ''مجدد'' کی ہے جب کہ قادیانی جماعت جن کا مرکز ''ربوہ'' میں ہے' مرزا غلام احمد کو ''نبی' موعود'' مانتی ہے۔ (یعنی واپس آنے والا نبی)۔ لاہوری جماعت کا نام ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام'' ہے۔ اس کی طرف سے مختلف کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ محمد علی لاہوری خود کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں قرآن کا انگریزی ترجمہ و تفسیر ''The Holy Quran'' اور اردو ترجمہ و تفسیر ''بیان القرآن'' سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ اس انجمن کے زیر اہتمام کئی ادارے یورپ و افریقہ میں مشنری طرز پر کام کر رہے ہیں۔ قادیانی جماعت بھی مشنری معاملات میں بہت مستعد ہے۔ اس مشنری نے بھی دنیا بھر میں اپنے مراکز قائم کر رکھے ہیں جو تبلیغ میں دن رات مصروف ہیں۔ (۱۸)

ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو حکومت پاکستان نے قادیانیوں کی دونوں جماعتوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ اس کے بعد ہی ''رابطہ عالم اسلامی'' مکہ مکرمہ سعودی عرب نے بھی دونوں جماعتوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ قادیانی علماء میں سے چند مشہور یہ ہیں: مرزا بشیر الدین' محمود احمد' مرزا نور الدین' مولوی صدر الدین' ڈاکٹر بشارت احمد' محمد یعقوب بیگ وغیرہ۔

صدر ضیاء الحق نے اپنے دورِ حکومت میں اس فرقہ کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی تھی' مگر بے نظیر بھٹو کے دورِ حکومت میں اس فرقہ کو کھلی چھٹی دے دی گئی' حتیٰ کہ قادیانیوں نے اس دور میں بڑی دھوم دھام سے اس کا ''جشن طلائی'' منایا۔

یہ مختلف فقہی مسالک اور پاک و ہند میں جنم لینے والے دیگر فرقوں اور جماعتوں کا مختصر تعارف ہے' تاکہ ایک عام پڑھا لکھا شخص بھی ان سے واقف رہے اور لاعلمی کی وجہ سے صراطِ مستقیم سے نہ بھٹک جائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

حواشی

نوٹ: یہ مضمون عربی زبان میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کر کے لکھا گیا تھا' بعد میں اسی مضمون کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا۔ اس وجہ سے مضمون کی عبارت کا حوالہ کی عبارت کے بعینہٖ مطابق ہونا ضروری نہیں ہے' البتہ دونوں کا مفہوم ان شاء اللہ ایک ہی ہوگا۔

۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: ''الثقافة الاسلامية فی الهند ازمولانا عبدالحی حسنی' صفحہ ۱۰۵ تا ۱۱۸' مطبوعہ دمشق ۱۹۵۸ء۔
۲) حوالہ سابق' صفحہ ۱۰۳ و ۱۳۵ تا ۱۳۹۔ نیز صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴ سے مستعاد۔
۳) تاریخ الدعوة الاسلامية فی الهند ازمسعود الندوی' صفحہ ۱۵۳ تا ۱۵۶ سے مستعاد۔
۴) الثقافة الاسلامية فی الهند' صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴ سے مستعاد۔
۵) موجِ کوثر از شیخ محمد اکرام' صفحہ ۷۰
۶) نزهة الخواطر ازمولانا عبدالحی حسنی' صفحہ ۳۹ و ۴۰' مطبوعہ حیدر آباد دکن' ۱۳۹۲ھ۔
۷) مختصر تحفة الاثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' صفحہ ۵۴' مطبوعہ الریاض ۱۴۰۴ھ
۸) حوالہ سابق' صفحہ ۱۰ تا ۲۱۔ ۹) حوالہ سابق' صفحہ ۳۰ و ۵۰ ۱۰) حوالہ سابقہ' صفحہ ط۔ ۱۱) حوالہ سابق' صفحہ ۵۰
۱۲) ایرانی انقلاب' امام خمینی اور شیعیت' از مولانا محمد منظور نعمانی' مختصراً' صفحہ ۱۱۹ تا ۱۳۰' مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۸۴ء۔
۱۳) حوالہ سابق' صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۱۔
۱۴) تاریخ ادبیات مسلمانانِ ہند و پاکستان' صفحہ ۱۵۴' جلد ۹' مطبوعہ پاکستان
۱۵) حوالہ سابق' صفحہ ۱۰۴' جلد ۹ ۱۶) حوالہ سابقہ' صفحہ ۱۵۴' جلد ۹
۱۷) الثقافة الاسلامية فی الهند' صفحہ ۲۳۰ و ۲۳۱۔
۱۸) اسلامی انسائیکلوپیڈیا از سید قاسم محمود' صفحہ ۱۲۲ و ۱۲۳۔ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن' کراچی۔

رمضان المبارک کا بہترین تحفہ

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھئے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفتاً پیش کیجئے!

دوران ماہِ رمضان اہل وعیال اور عزہ واقارب کے ساتھ اجتماعی مطالعہ کیجئے!

اشاعت خاص : 20 روپے اشاعت عام : 10 روپے

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : ذکرِ ماں

مرتب : ڈاکٹر کیپٹن غلام سرور شیخ

ضخامت:272 صفحات قیمت :150روپے

ملنے کا پتہ: 17۔سی' گلفشاں کالونی' جھنگ روڈ' فیصل آباد

بڑی سبق آموز کتاب ہے۔ مصنف نے ماں کی فضیلت' عظمت اور مقام کو واضح کرنے کے لئے بیسیوں کتب کا مطالعہ کیا ہے اور اپنے مطالعے کا نچوڑ اس کتاب کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔ یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب موضوع کے ایک پہلو کو واضح کرتا ہے۔ پہلے دو ابواب میں قرآن حکیم اور احادیث رسول میں ماں کے ذکر کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں عظیم ماؤں' خاص طور پر اُمہات المؤمنین کا ذکر ہے۔ چوتھے باب میں ماں کے متعلق مختلف افراد کا خوبصورت الفاظ میں اظہارِ عقیدت ہے۔ پانچواں باب سنہرے اقوال اور ذکر ماں پر مشتمل ہے۔ آخری تین ابواب میں مختلف شعراء کا کلام ہے جس میں ماں کی خدمت میں عقیدت ومحبت کے پھول اشعار کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو اپنی ماں کے ساتھ جو بے پایاں محبت ہے وہ اس کتاب کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے۔ کتاب کے محبت بھرے الفاظ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اپنی والدہ محترمہ کی یاد میں حد درجہ بے قرار ہیں اور اُن کے لئے شب و روز دعاؤں میں مشغول ہیں۔ اگر کتاب لکھنے کا مقصد معلوم کرنا چاہیں تو وہ یہ ہے کہ مصنف آج کے نوجوان کو دل کی گہرائیوں سے یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ اپنی ماں کے وجود کو غنیمت جانو۔ اگر یہ نعمت بے قدری میں ہاتھ سے جاتی رہی تو ساری زندگی کا پچھتاوا کسی کام نہ آئے گا۔ ماں کے قدموں میں جنت ہے۔ بس ماں کے قدموں کے ساتھ چمٹے رہنا ہی سعادت مندی ہے۔ ماں کا سایہ رب کی رحمت ہے۔ منظوم نذرانہ عقیدت میں بڑے بڑے معروف دانشور شعراء کا کلام شامل اشاعت ہے جو اردو اور پنجابی نظموں پر مشتمل ہے۔

الغرض مصنف نے ماں کا ذکر اس خلوص اور اخلاص سے کیا ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھیں تر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اگر اس کی ماں زندہ ہے تو وہ محبت و پیار کے ساتھ ماں کے ہاتھ چوم لے گا اور اگر ماں فوت ہو چکی ہے تو اللہ کے حضور ماں کی بخشش کے لئے اس کے ہاتھ اٹھ جائیں گے۔

(۲)

نام کتاب : اربعین تجوید وقراءت

مرتب : پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر

ضخامت:96 صفحات ۔ قیمت :درج نہیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ التجوید 12-W-8 مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد

یہ کتاب بقامت کہتر وبقیمت بہتر کا صحیح مصداق ہے۔ دیکھنے میں تو مختصر سی ہے مگر موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس کتاب میں تجوید وقراءت سے متعلق چالیس احادیث درج ہیں جو قابل قدر معلومات پر مشتمل ہیں۔ قرآن مجید سات مختلف قراءات میں نازل ہوا۔ ان میں سے ہر قراءت میں تلاوت کی اجازت ہے۔ پھر اس بات کا علم ہونا بہت ضروری ہے کہ قراءات کے اختلاف سے معانی اور مفہوم نہیں بدلتے بلکہ بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

چونکہ قراءات کے اس اختلاف کا علم لازم نہیں ہے اس لئے عوام الناس تو اس سے بالکل واقف نہیں۔ حافظ اور قاری حضرات کی بھی انتہائی قلیل تعداد مختلف قراءات سے باخبر ہے۔ اسی لئے فقہائے کرام نے خبردار کیا ہے کہ مختلف قراءات میں قرآن کی تلاوت عوام الناس کے سامنے نہ کی جائے تاکہ لوگ بلاوجہ قرآن کریم کے بارے میں کسی تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔

تجوید وقراءت کے بارے میں یہ مختصر کتابچہ ہر حافظ، قاری، امام اور خطیب کے زیر مطالعہ ہونا چاہئے تاکہ وہ اختلاف قراءات کے بارے میں صحیح معلومات رکھ سکے۔ نیز عوام الناس بھی اس کو پڑھیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ قراءات کا یہ اختلاف کوئی بعد کی چیز نہیں، بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے ہر قراءت میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی ہے اور یہ مختلف قراءات بھی منزل من اللہ ہیں۔ کتاب کا ٹائٹل سادہ مگر باوقار ہے۔ جلد کارڈ بورڈ کی ہے۔

حضرت سلمان فارسی ؓ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے کو نفل عبادت مقرر کیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا' اور اس مہینہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے' اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو اس کے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا' بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے''۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا ایک کھجور پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے۔ اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا کہ جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔ اس ماہِ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے۔ اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف و کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دے گا''۔

(ترجمہ ماخوذ از معارف الحدیث' مولانا محمد منظور نعمانیؒ)